ماھنامہ

حیاتِ نو

پلمرا گنج

FEBRUARY 1986

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

حیاتِ نو

فروری ۱۹۸۶ء

مدیر مسئول: ابوالمکارم فلاحی

مدیر: طارق فارقلیط فلاحی

قیمت فی شمارہ: ۲ روپے ۵۰ پیسے

سالانہ زر تعاون: ۲۵ روپے

ترسیل زر کا پتہ: جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ (یو۔پی) ۲۷۶۱۲۱

([illegible])

نقوشِ حیات نو

صفحہ نمبر

اداریہ

وہ مجھے نہیں جانتے —— ایڈیٹر —— ۳

انٹرویو

ڈاکٹر اشفاق احمد سے ایک انٹرویو —— ایڈیٹر —— ۵

عظمت کے مینار

حضرت نعمان بن مقرنؓ —— ابو جاوید —— ۱۸

مقالات

علامہ اقبال کی جمہوری سوچ —— مظفر حسین —— ۲۶

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو —— ا ل م —— ۳۲

تلواروں کے سائے میں

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا —— حامد علی ساغر —— ۳۸

شعر و نغمہ

میں ذرا وہاں چلا! —— نعیم صدیقی —— ۳۶

مسلمانوں سے خطاب —— شبیر احمد اصلاحی —— ۳۱

جاگتے رہنا —— عطا عابدی —— ۲۵

غزل —— شاکر تسلیم —— ۴۸

حلقۂ یاراں —— عبداللہ فہد، بدر عالم خاں ایم اے —— ۵۱

جامعہ کے لیل و نہار —— نور محمد فلاحی، عبدالحئی فاروقی —— ۵۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

"وہ مجھے نہیں جانتے"

روئے زمین کی سب سے عظیم ہستی، انسانیت کا محسن اعظم، آدمیت کا گل سرسبد، یتیموں کا ملجی، غریبوں کا ماویٰ، بیواؤں کا والی، بے سہاروں کا سہارا، عبداللہ کا لخت جگر، آمنہ کا نور نظر آج ایک عجیب فکر میں مبتلا تھا۔ مکہ والوں کو بلاتے بلاتے پیغام الٰہی سناتے سناتے کئی سال بیت چکے تھے۔ اس نے انھیں ہر طرح سے بلایا تھا محبت سے، حکمت سے، درد کے ساتھ، سوز اور چاہت سے، تنہائی میں، مجمع میں، مگر وہ نہ مانے ان کا اعراض بڑھتا ہی گیا، استکبار میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ وہ سرکشی پر اتر آئے، ستانے لگے، گالیاں دینے لگے اور خدا کے نور کو بجھانے کی نت نئی تدبیریں کرنے لگے، آج انھوں نے اپنے دروازے بند کر لیے تھے اور گھروں میں چھپ گئے تھے تاکہ بلانے والے اور پیغام سنانے والے سے ان کی ملاقات نہ ہو، یہی ان کا پلان تھا اور یہی انھوں نے طے کیا تھا۔

پھر داعی اعظم کے مبارک قدم ایک اور بستی کی طرف اٹھ گئے، ایک سرسبز و شاداب اور خوشحال بستی کی طرف، جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھی مگر خدا سے غافل اور بے خبر تھی۔ بتوں کی پوجا کرتی اور انھیں سے دعائیں مانگتی تھی۔ کتنی جاہل تھی وہ قوم! کتنے نادان تھے وہ لوگ! داعی نے انھیں بلایا۔ کلام الٰہی سنایا، خدائے واحد کی طرف بلایا مگر وہ نہ مانے انھوں نے کچھ شریر نوجوانوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ پر پتھر برسانے لگے اور گالیاں دینے لگے، چند پتھر داعی کے سر میں لگے، سر سے خون رسنے لگا۔ ایڑیوں تک آیا اور جوتیوں میں داخل ہو گیا۔ جوتیاں پیروں سے چپک گئیں، داعی پریشان ہو گیا، درد سے بیتاب ہو گیا، ایک دیوار کے سائے میں بیٹھ گیا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے "اے اللہ! میں تجھ سے اپنی کمزوری، اپنی کم تدبیری، ذلت اور فروتنی کی فریاد کرتا ہوں، تو سب سے زیادہ مہربان ہے، کمزوروں کا پروردگار ہے، تو ہی میرا رب

ہے تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا ایسے حاسد کے جو مجھ سے ترشروئی سے پیش آئے یا ایسے دشمن کے جسے تم نے مجھ پر حاوی بنا دیا ہے۔ اگر تو مجھ پر ناراض نہیں تو پھر مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں کیونکہ تیری عافیت میرے لئے زیادہ گنجائش والی ہے۔ میں تیرے رخ اقدس کے نور سے جس سے تاریکیاں بھی کافور ہو جاتی ہیں اور جس پر دنیا اور آخرت کی اصلاح موقوف ہے۔ تیری ناراضگی اور غصہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ مجھ سے راضی ہو جا اور مجھے طاقت و قوت عطا فرما۔"

پھر جبرئیل آئے، آپ سے مخاطب ہوئے، یہ قوم بڑی ناہنجار ہے آپ کے ساتھ اس نے اچھا سلوک نہیں کیا، پہاڑوں کے فرشتے آپ کے اشارے کے منتظر ہیں تاکہ ان کو پیس ڈالیں، نیست و نابود کردیں، آپ فرما دیجئے، اشارہ کر دیجئے۔ وہ نبی جو رحمۃ اللعالمین بھی تھا اور محسن انسانیت بھی تڑپ اٹھا۔ بے چین ہو گیا۔ فرمایا نہیں! نہیں! جبرئیل ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ مجھے نہیں جانتے، وہ مجھے نہیں جانتے"

پاکیزہ ترین سیرت و کردار کے حامل، اخلاق کا کامل ترین نمونہ اور سیرت و کردار کو اعلیٰ و ارفع مقام دینے والے محسن اعظم جو آیا ہی اس لئے تھا کہ انسانیت کو پاکیزہ بنایا جائے صاحب نبوت کے الفاظ میں "بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ" پر آج پھر ایک منصوبہ بند طریقے سے کیچڑ اچھالے جا رہے ہیں۔ پنجاب کے ڈاکٹر ورشا گورنمنٹ ہوں یا "بے گھر" کا ایڈیٹر، نیو سینا کے بال ٹھاکرے ہوں یا بوایڈر ہوں کا کا مصنف، وہ مرتد ہوں یا کمیونسٹ یا وشو ہندو پریشد کے لوگ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اسلام کی پوری تاریخ از آدم تا ایندم اس بات پر شاہد ہے کہ نبیوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ دل آزار سلوک کیا گیا ہے، انھیں کبھی سکون سے بیٹھنے نہیں دیا گیا۔ خود حضور اکرم صلی اللہ کی ۲۳ سالہ نبوی زندگی اس پر شاہد ہے آپ نے دشمنان دین اور دشمنان اسلام کے ہاتھوں کیسی کیسی مصیبتیں برداشت نہیں کیں۔ طائف تو ایک واقعہ ہے اور جب تک اسلام رہے گا اور اسلام کے ماننے والے رہیں گے۔ اس کے مخالفین رہیں گے اور شیطان صفت لوگ رہیں گے۔ یہ ہوتا رہے گا۔ اس کے ازالہ کی صورت یہ نہیں ہے کہ ہم بھی گالیاں دیں، ایسا کرنے والوں کو برا بھلا کہیں، احتجاج اور مظاہرہ کریں، توڑ پھوڑ پر اتر آئیں۔ بلاشبہ کبھی یہ چیزیں بھی ضرورت بن جاتی ہیں لیکن اس کے ازالے کی بہترین صورت یہ ہے کہ ہم سیرت و کردار کے پیکر بن جائیں۔

بقیہ صفحہ [illegible] پر

ایڈیٹر

ڈاکٹر قاضی اشفاق احمد سے ایک انٹرویو

"ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب محمد آباد گوہنہ میں پیدا ہوئے اور اب آسٹریلیا میں قیام پذیر ہیں۔ موصوف تحریک اسلامی کے ان کارکنوں میں سے ہیں جنھوں نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا لیا ہے آپ کی زندگی فعال اور تجربات بڑے ہی بیش قیمت ہیں۔ آپ ہمیشہ حالات کے مد و جزر کے شکار رہے مگر مشکل ترین حالات میں بھی آپ نے عزم و اعتماد اور ایمان و یقین کے دامن کو نہیں چھوڑا اور راہ بناتے گئے۔ یہ انٹرویو اس وقت لیا گیا جب موصوف ۱۵ اکتوبر [illegible] کو جامعۃ الفلاح تشریف لائے"

طارق فارقلیط فلاحی

سوال: آپ کا تعارف

ج۔ میں محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڑھ میں [illegible] میں پیدا ہوا۔ میرے جد امجد قاضی یوسف علی تھے جنھوں نے یوسف پور ضلع غازی پور آباد کیا۔ میری ننہال مولانا شاہ ابوالبقاء صاحب موضع سکندر پور ضلع بلیا سے تعلق رکھتی ہے۔ میرے والد منصف تھے اور میری پیدائش کے دو سال بعد انتقال فرما گئے۔ میری والدہ کا انتقال ہوا جب میں چھ برس کا تھا۔ علی حماد صاحب شیخ زادہ محمد آباد گوہنہ میرے پھوپھا تھے۔ میرے دادا نے بیٹے کے انتقال کے بعد محمد آباد گوہنہ ہی میں سکونت اختیار کرلی اور یہیں میری پرورش ہوئی۔

میں نے ابتدائی تعلیم علیگڑھ مسلم یونیورسٹی اسکول میں حاصل کی۔ آٹھویں کلاس شبلی اسکول اعظم گڈھ میں پوری کی۔ ہائی اسکول جمنا مشن ہائی اسکول الہ آباد سے [illegible] میں کیا۔ انٹرسائنس کرسچین کالج الہ آباد سے [illegible] میں کیا۔ بی ایس سی پٹنہ یونیورسٹی سے [illegible] میں فرسٹ پوزیشن سے کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا انجینئرنگ کی ڈگری علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے [illegible] میں فرسٹ پوزیشن سے لی اور گولڈ میڈل حاصل کیا ثانوی درسگاہ جماعت اسلامی سے چار سال کے کورس کی تکمیل کر کے [illegible] میں فرسٹ ڈویژن میں فراغت

حاصل کی۔ [illegible] میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی زیر نگرانی قرآن پاک کا مزید تحقیقی مطالعہ کیا۔ [illegible] میں امریکہ سے انجینئرنگ میں ماسٹر کی ڈگری امتیازی گریڈ سے حاصل کی۔ [illegible] میں سڈنی یونیورسٹی آسٹریلیا سے انجینئرنگ میں ڈاکٹر (Ph. D) کی ڈگری حاصل کی۔

[illegible] میں جماعت اسلامی سے تعلق ہوا۔ [illegible] میں جماعت کا رکن بنایا گیا۔ [illegible] میں علی گڑھ میں جماعت کا ہمہ وقتی کارکن دو سال رہا۔ [illegible] سے [illegible] تک جماعت اسلامی علی گڑھ کا امیر مقرر ہوا اور علی گڑھ یونیورسٹی میں جماعت اسلامی و طلبہ کی تنظیم کی۔ [illegible] سے ہمہ وقتی کارکن کی حیثیت سے علیحدگی اختیار کر کے انجینئرنگ کالج میں علی گڑھ میں لکچرر ہو گیا۔ [illegible] میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں انجینئرنگ اور سول انجینئرنگ کی ڈگری دی۔ [illegible] میں جامعہ ملیہ چھوڑ کر کشمیر انجینئرنگ کالج منتقل کر لیا وہاں [illegible] سے [illegible] تک پروفیسر اور ہیڈ آف ڈپارٹمنٹ رہا اور پھر وائس پرنسپل ہوا۔ [illegible] میں مجھے پاکستان کا الزام لگا کر نوکری سے نکال دیا گیا۔ مجھے کہیں نوکری نہ مل سکی۔ ۶ مہینہ تک میں نے امریکہ، آسٹریلیا، دو جگہ کوشش کی۔ آسٹریلیا نے مجھے ریسرچ فیلوشپ آفر کیا اور میں [illegible] میں عرصہ حیات تنگ ہونے کی وجہ سے صحیح معنوں میں ہجرت اختیار کی۔ [illegible] سے اب تک آسٹریلیا میں مقیم ہوں اور اسلام کی دعوت اور مسلمانوں کے دینی و ملی کاموں میں سرگرم ہوں۔

سوال — جماعت اسلامی سے کس طرح تعارف ہوا؟ کوئی واقعہ

ج۔ جماعت اسلامی سے سرسری تعارف [illegible] میں پٹنہ کے تربیتی اجتماع میں ہوا جہاں میں درس قرآن میں شریک ہوا کرتا تھا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے اور جناب میاں طفیل محمد صاحب سے وہیں پہلی ملاقات ہوئی۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں مولانا مسعود عالم صاحب سے جماعت کا لٹریچر لے کر پڑھتا رہا لیکن جماعت سے کوئی تحریکی تعلق نہیں قائم ہو سکا

میری زندگی میں انقلاب لانے کا محرک۔ جنوری [illegible] کا حلقہ کا اجتماع تھا جس میں علی گڑھ کے چند طلبہ کے ساتھ میں نے شرکت کی۔ اس اجتماع نے مجھے یقین دلایا کہ یہی لوگ ہیں جو صحابہؓ اور رسول ﷺ کے نقش قدم پر چلنا چاہ رہے ہیں اور اسلامی ماحول کا عملی مشاہدہ ہوا۔ مولانا سید حامد علی صاحب کی تقریروں اور ان سے گفتگو نے میری فکر کو جھنجھوڑا کہ میں نے اپنی پوری زندگی بدلنے کا فیصلہ وہیں کر لیا۔ ہم لوگ تعلیمات کو بنیاد بنا کر جماعت کے سر ہو گئے کہ ہمارے لئے عربی و دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ جماعت نے

ہمارے پچھلے [illegible] کے لئے ثانوی درسگاہ کا انتظام [illegible] میں جون سے کر دیا۔ مولانا جلیل احسن ندوی، مولانا ایوب اصلاحی۔ مولانا عبدالودود صاحبؒ۔ مولانا صدرالدین اصلاحی ہمارے سابق الاولین اساتذہ تھے۔

سوال — جماعت اسلامی کی کارگزاری سے کیا آپ مطمئن ہیں؟ اگر نہیں تو اس کو فعال بنانے کے اور کیا طریقے ہو سکتے ہیں۔

ج۔ اس ملک کو چھوڑنے کی وجہ سے میں جماعت اسلامی کا باضابطہ رکن تو نہیں رہا۔ مگر جماعت اسلامی کا بنیادی فکر میرے دل و دماغ کا ایک حصہ بن چکا ہے اور میں برابر جماعت اسلامی ہند پاکستان کا جائزہ لیتا رہتا ہوں اور جب بھی بنیادی فکر کو سامنے رکھ کر دونوں جماعت کی کارگزاری کو جانچتا ہوں تو مجھے مایوسی ہوتی ہے۔ مجھے یہ سمجھا کر مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ چونکہ آپ یہاں نہیں ہیں اس لئے یہاں کے معاملات کو سمجھ نہیں پاتے اور فکر کی عملی تطبیق نہیں کر پاتے۔ میں خاموش تو ہو جاتا ہوں لیکن دل و دماغ کو مطمئن نہیں کر پاتا۔ اس سلسلہ میں میں نے ایک نظریہ قائم کیا ہے۔ اگر یہ نظریہ صحیح مان لیا جائے تو پھر اس کی روشنی میں طریقے تجویز کر سکتا ہوں۔

جماعت اسلامی نے روز اول سے فریضہ اقامت دین کا نصب العین متعین کیا۔ اس فریضہ کے دو بڑے بڑے اجزا ہیں۔ اول تو یہ کہ اسلام کو ایک جامد مذہب کے بجائے ایک نظام حیات ساری دنیا سے منوا لیا جائے اور پھر دوئم اس نظام حیات کو عملاً نافذ کر دیا جائے۔ جہاں تک اول جز کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت اسلامی نے اپنے لٹریچر اور تحریک کے ذریعہ یہ فرض کما حقہ پورا کر دیا اس حد تک کہ اگر آج دنیا میں کوئی یہ کہے کہ اسلام نظام حیات نہیں ہے تو اس کو بے وقوف اور جاہل سمجھا جائے گا اب رہ گیا دوسرا جز کہ اس نظام حیات کا عملی نفاذ ہو۔ جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں یعنی پاکستان وہاں اسلامی ریاست و حکومت کا قیام معرض وجود میں آئے اور جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں یعنی ہندوستان وہاں اسلامی ریاست تا فی الحال قائم نہیں کی جا سکتی لیکن غیر اسلامی معاشرہ میں اسلامی معاشرہ کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ دونوں جگہ کی جماعتیں یعنی پاکستان کی جماعت اسلامی ریاست کے قیام کے لئے اور جماعت اسلامی ہند اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے کوشش ضرور کر رہی ہے لیکن چند بنیادی کمیوں کی وجہ سے صحیح سمت میں ارتقا نہیں کر رہی ہے اور یہی باعث تشویش ہے۔

جماعت کا بنیادی لٹریچر اور طریقہ کار اور تربیت کارکنان یہ سب اسلام کو نظام حیات منوانے کے لئے

تیار کیے گئے ہیں۔ اب جوں کہ یہ کام ہو چکا ہے اور دوسرے جز پر توجہ دینا ہے تو اس کے لیے نیا لٹریچر یا طریقۂ کار اور نئی تربیت کی ضرورت ہے یعنی یہ کہ پہلے جز کو سامنے رکھ کر اس سے انحراف نہ کرتے ہوئے اس کو مزاجی بنیاد بنا کر بغیر فکری تبدیلی لاتے ہوئے آگے کام کیا جائے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ کام نہیں کیا گیا اور اس کی وجہ سے ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ یہ خلا چھوٹی موٹی تبدیلیاں (جو حالات اور ماحول کے لحاظ سے ہوتی جا رہی ہیں) لا کر پر نہیں کی جا سکتیں۔ مختصر یہ کہ دونوں جگہ کی جماعتیں ایک اصولی جماعت کی حیثیت سے اپنے نظریات و عمل کو عوام میں مقبول بنانے کے لیے اپنے اپنے ملک کے داخلی حالات کے دباؤ سے گنجائشیں نکالتی جا رہی ہیں اور خطرہ یہ ہے کہ اپنے بنیادی موقف سے ہٹ کر ملی جماعتیں نہ بن جائیں۔

سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا ہے وہ ہے بنیادی لٹریچر کی توسیع یعنی ان کو سامنے رکھ کر دونوں ملکوں میں اسلامی نظام کے لیے لٹریچر تیار کیا جائے۔ جماعت اسلامی ہند کا بنیادی کام غیر مسلموں خاص طور پر ہندوؤں میں موجودہ حالات کو سامنے رکھ کر آفاقی دعوت کا لٹریچر تیار کرنا ہے۔

دوسرا کام خود جماعت کے افراد کی تربیت ہے نئے انداز کی کہ اس غیر اسلامی ماحول میں اسلامی معاشرہ وہ کس طرح قائم کریں۔ تیسرا اہم کام جس کی طرف جماعت شروع سے زیادہ توجہ سے کام نہیں کر سکی ہے وہ یہ ہے کہ جماعت کے کارکن اپنے خاندان اور پڑوسی اور اپنے معاشرہ میں اسلام کا صحیح نمونہ نہیں۔ جماعت اسلامی ہند میں فکری انتشار شروع ہو چکا ہے۔ کچھ لوگ مصلحتوں اور حالات سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں اور وہ بہت زیادہ الفاظ پچھاڑ کر رہے ہیں۔ جماعت کے بنیادی لٹریچر کو کالعدم قرار دینا چاہتے ہیں۔ نئے نئے الفاظ گڑھنے لگے ہیں۔ ان کو ہندوستان میں امید کی بجائے افلاس نظر آنے لگے ہیں۔ یہ دراصل احساس شکست اور سہل پسندی ہے۔ کچھ لوگ ابھی تک بنیادی لٹریچر کو کافی سمجھتے ہیں اور اس میں مزید توسیع اور تشریح کے لیے بالکل تیار نہیں ہیں۔ یہ دونوں گروہ افراط اور تفریط کا شکار ہیں۔ جماعت کے ارکان کو اب چاہیے کہ ہر شخص انفرادی طور پر سوچنا شروع کرے اور اپنے اپنے تجربہ کی روشنی میں بنیادی لٹریچر سے ہٹ کر آگے کی راہ متعین کرتا چلا جائے پھر مذاکرہ اور تبادلہ خیالات سے صحیح فکر پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے بعد جب ارکان کو نمائندے منتخب کرتے ہوں۔ یا نمائندوں کو اصل شوریٰ کا انتخاب کرنا ہو تو پھر ایسے ہی لوگ چنے جائیں جو ان دونوں گروہوں سے تعلق نہ رکھتے ہوں تاکہ جماعت کے فیصلے جو اوپر سے آئیں وہ صحیح آئیں۔ فی الحال

شوریٰ میں خود نظریاتی اختلاف ہے اور یہ اختلاف ہمارے ارکان پر بہت خراب اثر ڈال رہا ہے میں ناامید نہیں ہوں۔ مجھے قوی امید ہے کہ جماعت موجودہ آزمائش سے بخوبی گذر جائے گی اور ۸۲ء میں میقات ختم ہونے کے بعد آئندہ جو ڈھانچہ ایسے افراد کا ہوگا جو متحد ہوں گے اور جن کے اندر فکری ہم آہنگی ہوگی انشاء اللہ۔

سوال۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوستان کی منزل کمیونزم ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہندوازم آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ کمیونزم اور ہندوازم دونوں اس وقت خود بہت تیزی سے چولے بدل رہے ہیں۔ دونوں میں سے کسی میں نہ تو اتنی نظریاتی پختگی ہے کہ ہر زمانہ کے لیے جامہ ہے اور نہ ہی اتنی وسیع النظری ہے کہ دوسروں کی اچھی چیزیں اپنے اندر سمو سکے۔ اسلیے دونوں میں سے کوئی ہندوستان کی منزل نہیں ہے۔ ہندوستان کی اکثریت یعنی اصل ہندو خاص گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک مذہب سے متاثر اور ہندوازم کا دلدادہ اور دوسرا مغربی مادیت سے متاثر اور سوشلزم کا شیدائی یہاں پر ہندوازم سوشلزم سے مرکب ایک کھچڑی بنے گی اور وہی پکائی جاتی رہے گی۔

میرے نزدیک ہندوستان کی منزل اسلام ہے۔ دیر یا سویر یہاں کے لوگ اسلام ضرور قبول کریں گے آئندہ سیاسی ڈھانچہ کچھ بھی ہو اور ہندوستان اور پڑوسی ملک کسی بھی سیاسی نظام کے تحت رہیں ہر صورت میں اسلام قبول کیا جائے گا۔ اب ہم مسلمان کس طرح دعوت دیتے ہیں اور کتنی جہت و حکمت سے کام لیتے ہیں اس مدت کی کمی بیشی کا انحصار ہوگا۔

سوال دین اور سیاست کا تعلق چولی اور دامن کا ہے۔ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا لیکن جماعت اسلامی ہند نے جو فیصلہ کیا اس پر اس کا بڑا حصہ نہایت پریشان ہیں۔ آپ اس موضوع پر اظہار خیال کریں گے؟

ج۔ جیسا میں پہلے عرض کر چکا ہوں جماعت اسلامی نے سنجیدگی سے پورے غور و خوض سے ہندوستان میں اسلامی معاشرہ کے قیام کے سلسلہ میں نہ تو سوچا اور نہ ہی کوئی لٹریچر تیار کیا۔ ضرورت اس کی تھی اور ہے کہ مولانا مودودیؒ کی طرح کوئی فرد آگے بڑھے اور ہندوستان میں اسلام کی دعوت اور معاشرہ اسلامی کے قیام کے لیے لائحہ عمل تیار کرے۔ صالح ملی تنظیم کے فقدان کی وجہ سے حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے

کے لئے جماعت اصولی دعوتی تحریک کے بجائے ملی جماعت بنتی چلی جارہی ہے اسلامی ملی جماعت بننے کی وجہ سے ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے مختلف ملی مسائل کے مختلف حل تلاش کرنے کی کوشش میں فکری انتشار واقع ہے جنوبی ہند کے ملی مسائل کی روشنی میں جماعت کی شوریٰ نے فیصلہ کیا ہے جو شمالی ہند خصوصاً یوپی کے ملی مسائل کے لئے غیر موزوں ہے اس سلسلہ میں پریشان ہونے، تنقید کرنے نیتوں پر شک کرنے اور گروپ بندی کرنے کے بجائے تمام ارکان کو اپنی فکر صحیح کرنی چاہئے اور آراء کو بیدار کرنا چاہئے کہ جماعت واپس لوٹ جائے اور اسلامی ملی جماعت بننے کے بجائے دعوتی تحریک پھر سے بن جائے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ جماعت کے دو الگ wings ہو جائیں ایک اسلامی ملی محاذ اور دوسرا دعوتی تحریک، عضو اور ارکان اپنے اپنے مزاج کے مطابق کسی ایک wing (عضو) میں شامل ہو جائیں مگر اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ ان دونوں wings میں تعارض نہ ہو اور یہ اتنے دور نہ ہو جائیں کہ اشتراک ناممکن ہو جائے جیسا کہ بعد کی جماعت اسلامی اور دعوت اصلاح و تبلیغ (تبلیغی جماعت) کے ساتھ ہوا یہ سب چیزیں بہت ٹھنڈے دل سے سوچنے کی ہیں۔ اللہ نے اگر توفیق دی تو انشاء اللہ میں آئندہ کے لائحہ عمل کے سلسلہ میں ایک مقالہ لکھ کر جماعت کے سامنے پیش کروں گا۔

سوال ہندوستان کا سکولر نظام تعلیم کو آپ خوب جانتے ہیں۔ اس کے نتائج سے اب فرد، معاشرہ اور حکومت تینوں پریشان ہیں۔ اس کے اندر کس طرح کی تبدیلیوں کی ضرورت ہے؟

ج: یہ ایک عالمی مسئلہ ہے۔ جس رخ پر ہندوستان جارہا ہے اس کا حشر دیکھا ہو نے والا ہے جیسا امریکہ میں انتہائی عروج پر ہو رہا ہے امریکہ میں سورج غروب ہونے کے بعد کوئی شریف آدمی اپنے گھر سے نکل نہیں سکتا ہے۔ نوجوان جس کو چاہیں قتل کریں۔ جس کو چاہیں لوٹ لیں۔ حکومت کی مشینری بری طرح عاجز ہے یہ سب مادیت کے کڑوے پھل ہیں۔ نظام تعلیم کے بدلنے سے یا کچھ ترمیمات کرنے سے کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آسکتی ہے۔ موجودہ فلسفہ حیات کو جب تک نہیں چھوڑا جائیگا۔ اور مثبت وجہ حقیقی اسلامی فلسفہ حیات جب تک نہیں اپنایا جائے گا نظام تعلیم کے اندر چند سطحی تبدیلیوں سے کوئی کما حقہ فائدہ نہیں حاصل ہوگا

سوال ہندوستان میں عربی مدارس کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جس سے ہر سال ہزاروں لوگ فارغ ہوتے ہیں لیکن وہ کہاں کھو جاتے ہیں کچھ پتا نہیں چلتا۔ جو چلتے پھرتے نظر آتے ہیں وہ احساس کمتری اور مرعوبیت کا شکار ہیں اور مسائل کو حل کرنے کے بجائے الجھا دیتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا یہ نصاب کی

خامی ہے یا طریق تعلیم کی۔ یا کسی اور چیز کی؟

ج: مغربی مادیت کی فضا میں سانس لینے کی وجہ سے عام طور پر ایک غلط ذہنیت بن گئی ہے کہ آدمی کی قدر اس کے انگریزی لباس۔ بغیر داڑھی کا چہرہ اور ڈاکٹر وغیرہ کی ڈگری سے ہوتا ہے۔ موجودہ تہذیب نے مسلمانوں کو مسٹر اور مولوی دو طبقوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور مسٹر کو احساس برتری اور مولوی کو احساس کمتری میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اب آہستہ آہستہ یہ ختم ہورہی ہے لیکن ابھی ابھی کافی وقت لگے گا۔ علماء کی قدر ہندوستان و پاکستان میں نہیں ہے۔ علماء نے مذہب کو اس قدر محدود کیا ہے کہ عام اشخاص ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہیں۔

عربی مدارس جن انداز سے چلائے جاتے ہیں وہ بہت ہی فرسودہ (out of date) ہے۔ عربی مدارس میں اساتذہ کی تنخواہیں کم ہوتی ہیں۔ طلبہ کا I.Q. ذہنی معیار بھی کم ہوتا ہے۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مدارس سے خارج ہوتے وقت ان طلبہ کے اندر اعتماد (confidence) کم ہو جاتا ہے۔ عربی مدارس اور سکولر ادارے دونوں مسلمانوں کے لئے بے کار ہیں۔ یہ ملت کیلئے ناسور ہیں اور غلط فلسفہ حیات کی ناکارہ پیداوار ہیں۔ علی گڈھ یونیورسٹی اور دارالعلوم دیوبند کی تقسیم ہی بنیادی غلطی ہے ادارے ایسے ہوں جس میں دونوں قسم کی تعلیم بیک وقت دی جاسکے۔ غرض یہ کہ مکمل اصلاح و تجدید (Healing) کی ضرورت ہے۔ ذہنیت، مقصد تعلیم، نصاب، طریق تعلیم، طریق انتظام سب ہی چیزوں کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

سوال آپ آسٹریلیا کیوں تشریف لے گئے؟

ج: جیسا میں پہلے عرض کرچکا ہوں میرا ہندوستان میں رہنا مشکل ہو چکا تھا۔ معاشرتی و معاشی دونوں لحاظ سے مشکلات پیدا ہو گئی تھیں چونکہ پاکستانی قرار دیا جاچکا تھا۔ ارادہ تھا کہ باہر نکل جاؤں اور معاشی مسئلہ بھی حل کرلوں اور انجینئرنگ میں نئی تحقیق بھی کروں، ساتھ ہی اسلام کی دعوت کے مواقع کا بھی جائزہ لوں۔ یہاں سے جاتے وقت مستقل بس جانے کا ارادہ نہیں تھا لیکن وہاں کے مسلمانوں کے مسائل اور اس سرزمین پر قبول حق کے امکانات دیکھ کر اب وہاں پر settle ہو گیا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرا اس ملک میں قیام ہر لحاظ سے مفید ہے۔ سب سے بڑا اطمینان یہ ہے کہ وہاں پر دعوت اسلام کے بہترین مواقع ہیں اور ان سے میں اور میرے ساتھی فائدہ اٹھا رہے ہیں

سوال وہاں کیا کرتے ہیں؟

ج۔ پہلے میں جز وقتی مشرقی یونیورسٹی میں انجینئرنگ کے شعبہ میں استاد تھا۔ اب میرے بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ اور ہم نے وہاں بزنس (Business) کا ایک نظم کر لیا ہے اس لئے میرا وقت اب زیادہ تر اپنے بڑے خاندان (چھوٹے بڑے ملا کر ۲۱ عدد) کی تربیت و دیکھ بھال (overall supervision) اور مختلف حلقوں میں درس قرآن۔ تبلیغی و دعوتی مشورے اور آسٹریلیا کی دو دینیاتی تنظیموں (mother organisations) کی نگرانی دیکھ بھال میں مشغول رہتا ہوں۔ اللہ کے فضل سے چوں کہ میں بہت زیادہ فعال ہوں۔ میرا زیادہ وقت مشوروں، تقریروں اور تربیتی اجتماعوں میں صرف ہوتا ہے۔

سوال آسٹریلیا کی تاریخ پر روشنی ڈالئے؟

ج۔ آسٹریلیا برطانیہ کی نوآبادی ہے۔ اس کے اصل باشندے کالے ہیں جو Aborigines کہلاتے تھے جب انگریز اس ملک میں آئے تو انھوں نے آہستہ آہستہ یہاں کے باشندوں کو شروع میں مار ڈالا۔ آسٹریلیا میں زیادہ تر برطانیہ کے سزا یافتہ یہاں پر آئے۔ اور پھر چند افراد آئے جو ان سزا یافتہ مجرموں پر نگرانی کرنے لگے۔ یہ براعظم ہندوستان کا تقریباً ڈھائی گنا رقبے کے لحاظ سے ہے اور اس کی کل آبادی ڈیڑھ کروڑ 15 million ہے۔ مختلف ممالک کے migrants یہاں بسے ہوئے ہیں۔ سب سے زیادہ انگریز — پھر یونانی۔ لبنانی۔ جرمنی۔ ترک۔ یوگوسلاویہ وغیرہ ہیں۔ تقریباً ۹۴ فی صدی گورے۔ ۲½ فیصدی کالے مسلم (Asian) اور ½ فی صدی aborigines ہیں۔ پچھلے تیس سالوں میں یہ develop ہوا ہے۔ رہن سہن میں یہ ملک انگلینڈ اور امریکہ کی طرح مادی طور پر خوشحال ہے یہاں جمہوری حکومت ہے تقریر و تحریر کی آزادی ہے۔ یہ ملک بہت دولت مند ہے۔ معدنیات کے ذخائر موجود ہیں۔ یہاں کی Immigration Policy بہت سخت ہے۔ کاغذی لحاظ سے ہر ایک کو برابر تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن عملاً اس بات کی کوشش جاری کہ Asian اس ملک میں نہ رہنے پائیں۔

سوال آسٹریلیا میں مسلمانوں کی کیا پوزیشن ہے ان کا علمی معیار کیا ہے اور معاشی سطح کیا ہے؟

میں نے ایک کتاب Islam in Australia مرتب کی ہے جو انشاء اللہ ۱۹۸۵ء میں شائع ہو گی اس میں اس سوال کا جواب تفصیل سے دیا گیا ہے۔ مختصراً سمجھنا مشکل ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ڈھائی لاکھ 0.25 m ہے۔ تقریباً ۱.۷% مسلمان آسٹریلیا کی سب سے بڑی اقلیت minority ہیں عیسائیوں کے بعد۔

یہودی [illegible] ہیں۔ تقریباً ۶۰% زیادہ تر مسلمان لبنانی۔ پھر ترکی ہیں ۲۰% لبنانی و ترکی ۸% یوگوسلاویہ ہیں ۵% مصری و عرب ۲% باقی Asian و مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کا علمی معیار بہت کم ہے۔ زیادہ تر مزدور پیشہ ہیں۔ ۵% مسلمان استاد، انجینئر اور ڈاکٹر ہیں۔ معاشی لحاظ سے مسلمان تمام لوگوں کی طرح ہیں۔ مزدوروں کی تنخواہ بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے تمام مسلمان خوشحال ہیں۔ بہت کم مسلمان ایسے ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہوں۔

سوال۔ آسٹریلیا میں کون کون سی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ مسلمانوں کی کوئی تنظیم ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کا مقصد کیا ہے؟ اور معاشرہ پر اس کے اثرات کیا ہیں؟

ج۔ آپ کے اس سوال اور پچھلے دو سوالوں کا جواب تفصیل کے ساتھ ہمارے مقالہ میں مل جائے گا جس کا ایک نسخہ انشاء اللہ میں جا کر بھیج دوں گا۔ مختصراً آپ کو یہ خاکہ بتاتا ہوں۔ عیسائی گرجا عالم سب سے زیادہ سرگرم ہے۔ Protestant - Catholic دونوں سرگرم ہیں۔ ان کے بڑے بڑے ادارے اسکول وغیرہ قائم ہیں۔ معیشت پر یہودی بڑی بڑی جگہوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ ان کے باوجود عام Australian عیسائیت یا یہودیت میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں۔ مسلمانوں کی دو بڑی تنظیمیں ہیں

AFIC جس کا مختصر نام – AUSTRALIAN FEDERATION of ISLAMIC COUNCILS ہے۔ یہ سہ طبقاتی تنظیم ہے۔ پہلی سطح پر Islamic Societies ہیں زیادہ تر ایک ملک سے آئے ہوئے مہاجرین پر مشتمل ہیں مثلاً مصری اسلامی سوسائٹی Egyptian Islamic Society ترکی اسلامک سوسائٹی Turkish Islamic Society وغیرہ وغیرہ۔ کچھ شہر یا قصبے کے نام سے بھی ہیں۔ مثلاً New Castle Islamic Society وغیرہ۔ آسٹریلیا میں نو صوبے (State) ہیں۔ ہر صوبہ کی تمام سوسائٹی مل کر درمیانی سطح پر کونسل بناتی ہیں مثلاً Islamic Council of New South Wales اور پھر اعلیٰ سطح پر یہ کونسلیں مل کر فیڈریشن بناتی ہیں اس تنظیم کے تحت تقریباً (۳۰) جماعتیں Societies ہیں۔ ۹ کونسلیں ہیں اور ایک Islamic centre ہے۔ اس Federation میں تقریباً اڑتیس اسلامی مراکز یا مساجد or mosque ہیں تقریباً ہر جگہ ایک امام مقرر ہے جس کی تنخواہ آدھی سوسائٹی دیتی ہے

اور آدمی فیڈریشن ان مساجد یا مراکز کا نظم و نسق سوسائٹی کے ہاتھ میں ہے۔ فیڈریشن صرف نگرانی کرتی ہے اور کسی تنازعہ کے وقت فیصلہ کرتی ہے۔

(۲) اتحاد الجماعات الاسلامیہ جس کا پورا نام (Australian FEDERATION of Muslim Student Associa) مختصراً AFMSA تھا۔ یہ تنظیم زیادہ تر طلبہ اور اساتذہ پر مشتمل ہے۔ یہ یونیورسٹی اور اداروں کے مسلمانوں پر زیادہ تر مشتمل ہے۔ یہ تنظیم تحریکی نوعیت کی ہے جب کہ پہلی والی تنظیم زیادہ تر تبلی ہے۔ یہ تنظیم تربیت، درس و تدریس، سیمینار وغیرہ منعقد کرتی ہے اس میں زیادہ تر ایشیا کے مسلمان طلبہ حصہ لیتے ہیں۔

ان دو بڑی تنظیموں کے علاوہ اخوان اور جماعت اسلامی کے افراد پر مشتمل ایک چھوٹی بہت چھوٹی سی تنظیم جماعۃ الدعوۃ الاسلامیہ ہے۔ یہ زیادہ تر ترکی کے عرب حضرات پر ہی اثر ڈال پاتی ہے۔ مقصد ظاہر کرنے سے پہلے بتانا بہت ضروری ہے کہ یہ سب تنظیمیں اور سرگرمیاں پندرہ سال کا نتیجہ ہیں۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی نہ کوئی تنظیم تھی۔ نہ کوئی آواز تھی۔ نہ سنٹر اور خال خال مسجدیں تھیں۔ دوسرے الفاظ میں آسٹریلیا کے مسلمان ان پندرہ سالوں میں صرف ایک کام جو بہت ہی اہم ہے کر پائے ہیں یعنی [illegible] مسلمانوں کا الگ وجود اور اسلام کی بنیاد پر ان کا متفق ہونا یہی مقصد تھا اور اللہ کا شکر ہے کہ اس مقصد میں آسٹریلیا کے مسلمان کامیاب ہیں۔ اب مسلمانوں کی ایک آواز ہے۔ ان کی اہمیت ہے۔ اب نماز، جمعہ کی نماز، عید کی نماز، رمضان کے روزے، سیمینار، ریڈیو اور ٹی وی پر مسلمانوں کا اظہار خیال وغیرہ شروع ہو چکا ہے۔ معاشرہ نے محسوس کر لیا ہے کہ اسلام ایک [illegible] نظریہ حیات ہے اور مسلمان اچھے شہری بن رہے ہیں۔ حکومت بہت قدر سے ہماری تنظیموں کو دیکھتی ہے۔ [illegible] Churches ہمارے خلاف ہے۔ یہودی ہم سے جلتے ہیں مسلمانوں کے اندر احساس کمتری ختم ہو رہا ہے۔ ان کے اندر کی برائیاں ختم ہو رہی ہیں۔ شراب و زنا مسلمانوں میں ختم ہوتا جا رہا ہے۔ مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ ان پندرہ سالوں میں آہستہ آہستہ دو تین ہزار عیسائی و یہودی مسلمان بھی ہوئے ہیں۔

اب آسٹریلیا میں مسلمانوں کے سامنے دوسرا stage شروع ہو چکا ہے۔ یعنی مسلمانوں کی اسلامی تعلیم۔ اس کا احساس کافی شدید ہو گیا ہے اور اب کوششیں جاری ہیں۔ دو اسکول مسلمانوں

کے الگ قائم ہو چکے ہیں۔ مسلمان بچوں اور بچیوں کی قرآن اور اسلام کی تعلیم کیلئے شام کو بھی classes شروع ہو چکی ہیں۔ عام اسکولوں میں بھی مسلمان بچوں کو پڑھانے کے لئے ہمارے اساتذہ جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب کام ابتدائی اسٹیج میں ہے۔

سوال: نوجوانوں کے اخلاق دن بدن خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کے اندر تشدد، لوٹ مار قتل کے رجحانات تیزی سے پروان چڑھ رہے ہیں۔ اس کو کس طرح روکا جا سکتا ہے؟

جیسا میں نے عرض کیا کہ یہ سب مادی تہذیب کے کڑوے پھل ہیں۔ آپ قانون بنا کر، پیلا پھیلا کر یا ڈرا دھمکا کر نوجوانوں کو کنٹرول نہیں کر سکتے۔ انسان جب تک اندر سے نہیں بدلے گا خارجی ماحول زیادہ دیر تک اثر انداز نہیں ہوتا۔ اسلام ہی کا منافی نظریہ ہی جرائم کو روکنے کا محرک بن سکتا ہے سب سے پہلے ہمیں مسلم نوجوانوں کی اصلاح کرنی چاہئے جو زیادہ مشکل نہیں ہے اس لئے کہ ان کو پھر بھی بھولا سبق یاد کرایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ان کے ذریعے سے غیر مسلم نوجوانوں کو بغیر لیبل لگائے اسلام کی بنیادی باتوں کو بتایا جائے تاکہ وہ عقل کے ساتھ فیصلہ کریں کہ کس نظریہ کو اپنانا ضروری ہے۔

نوجوانوں کے اخلاق کا دوسرا سبب ان کے بزرگوں کی دین سے دوری ہے۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ ان کے بزرگ حضرات نے نوجوانی میں یہی کیا ہے تو ان کو شہ مل جاتی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ بچوں کی تربیت انفرادی یا اجتماعی کسی طرح سے نہیں کی جا رہی ہے۔ خاندان کی شیرازہ بندی ختم ہو چکی ہے اور خاندان کا ادارہ صحیح رول انجام نہیں دے رہا ہے۔

سوال: عالمی حالات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو شاعر کے اس شعر کے مثل نظر آتے ہیں

کتنے یک رنگ و بے تابہ جبیں ہم لوگ — ہر جگہ کشتۂ شمشیر ستم ہیں ہم لوگ

آخر ایسا کیوں ہے؟

ج۔ اس کا جواب بھی اقبال کے شعر سے سن لیجئے:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

سوال: وہ تمام تحریکیں جو اسلام کی دعوت کو لے کر اٹھی تھیں اپنے اپنے ملک میں ایک ہی طرح کے حالات سے دو چار ہو گئیں۔ کیا یہ طریق دعوت کی کوئی غلطی تھی؟

تمام تحریکیں ابتداءً اپنے مقصد اور طریق کار کے لحاظ سے درست تھیں۔ رفتہ رفتہ حالات کے دباؤ سے مجبور ہو کر اور کچھ [illegible] جلد بازی میں ان کے طریق کار میں خامیاں پیدا ہو گئیں۔ کہیں تو انھوں نے دوسرے مقاصد والوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی کوشش کی اور کہیں دشوار راہ کے بجائے سہل پسندی کا راستہ اختیار کیا۔ تو کہیں تطہیر ذہن کی کمی آ گئی اور موقع پرست افراد تحریک میں شامل ہو گئے۔ اگر شروع سے آخر تک موجودہ دور کی تحریکیں رسول اللہ کی پہلی اسلامی تحریک کے طریق کار کو من وعن اختیار کریں تو انتشار وخلفشار سے بچ جائیں۔ اخوان اور جماعت اسلامی کی تاریخ سے ہمیں سبق لینا چاہیے۔

سوال ہندوستان میں ہم اس وقت پل صراط سے گذر رہے ہیں۔ ہمارا دین بھی خطرے میں ہے اور ایمان بھی۔ اس کو کس طرح حکومت کے ہاتھوں سے بچایا جا سکتا ہے؟

ج۔ یہ سوال خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ ملی مزاج کے ذہن کی پیداوار ہے۔ ایک تحریک داعی کی حیثیت سے یہ سوال ذہن میں آنا ہی نہیں چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کے بجائے ہمیں حضرت محمدؐ کا اسوہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہمیں تو دین کی خاطر ہزاروں قربانیاں دینی ہیں۔ جب ہندوستان کی تقسیم ہوئی اللہ نے خود فیصلہ کر دیا کہ ضعفاء جو مصیبتیں نہیں جھیل سکتے ہیں وہ چلے جائیں اور جو کفن پہن کر زندہ رہ سکتے ہیں وہ یہاں رہ جائیں۔ آفاقی دعوت بغیر بلا تفریق ملت ہمیں پہنچانی ہے۔ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے سامنے۔ مسلمانوں کے ملی مسائل یقیناً اہم ہیں لیکن اہم تر دعوت بندگان خدا کو اسلام کی طرف بلانا اور ان کو کلمہ پڑھانا ہے۔ یہ دونوں کام دو مختلف مزاج رکھتے ہیں اور ایک جماعت کے افراد دونوں کام ایک ساتھ نہیں کر سکتے۔ کہیں کہیں ان دونوں کاموں میں زبردست ٹکراؤ ہوگا۔

ہمارے اندر تعلق باللہ کی کمی ہے اور آفاقی دعوت دینے سے ہم گھبراتے ہیں۔ ہمارا مزاج تھوڑا بہت قوم پرستانہ ہے۔ ہم زبان، کلچر اور عمارتوں کے تحفظ میں اس قدر الجھ گئے ہیں کہ اصل کام نہیں ہو پا رہا ہے۔ آج عصبیتوں اور منافرت کے باوجود اگر خلوص ومحبت و دلسوزی سے لوجہ اللہ دعوت دین دی جاتی تو ان شاء اللہ غیر مسلموں کے دلوں کو مزید بدل دے گا۔ ہم اگر اسلامی معاشرہ عملاً قائم کریں۔ تو اس کا اثر پڑوس کے رفیقوں پر ضرور پڑے گا۔ حکومت کسی سیاسی گروہ کی ہو اور خواہ اس کے اندر اچھی خاصی تعداد مسلمانوں کی ہو یہ ہمارے دین اور

ایمان کے لیے مسلسل خطرہ بنی رہیں گی۔

سوال قارئین حیات نو کے لیے کوئی پیغام؟

ج۔ ہم مسلمانان ہند عموماً اور تحریک اسلامی کے حامی خصوصاً آج پھر دوراہے پر کھڑے ہو گئے ہیں۔ تحریک اسلامی کا بنیادی لٹریچر ہمیں حیات نو کا سبق دے رہا ہے اور حالات کے دباؤ ہم کو اپنے تحفظات پر مجبور کر رہے ہیں۔ ایک طرف آگے بڑھنے کی مثبت للکار ہے تو دوسری طرف قدم پیچھے نہ ہٹنے کی تنبیہ ہے۔ ہمیں جوش اور ہوش دونوں کو ساتھ لیکر چلنا ہے۔ ہمارے سامنے ایک فکری خلاء ہے جس کا جلد از جلد پر کرنا بہت ضروری ہے۔ فکری بنیادوں کو از سر نو مضبوط کرنا ہے اور پھر اس پر عمل کی دیوار کھڑی کرنی ہے۔ کیا ہم سب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کسی نئے مودودیؒ نئے حسن البناؒ اور نئے سید قطبؒ کا انتظار کریں گے آخر کب تک؟

آئیے اٹھیے۔ ہمت سے کام لیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی صلاحیتیں اور فکری قوتیں عطا کی ہیں ان پر شکر ادا کیجیے اور ان سے کام لے کر اپنے خیالات ضبط تحریر میں لے آئیے۔ حیات نو کو اپنا ترجمان بنا لیجیے اور ان بنیادی مسائل پر سوچ سمجھ کر روشنی ڈالیے۔ ہمارے سامنے دو بہت بڑے مسائل ہیں جن کا باضابطہ حل ضبط تحریر میں فی الحال نہیں ہے۔ اول یہ کہ ہم ہندوستان کے مسلمان ایک ملت بنکر اپنی کشتی کو حفاظت سے کنارے پر پہنچانے پر اکتفا کریں یا ہم یہ کام کسی اور گروہ کے سپرد کر کے ہندوستان کی پوری آبادی مسلم وغیر مسلم کو آفاقی دعوت دیں کہ اس کا مزاج اسلامی بنتا چلا جائے۔ دوم یہ کہ ہندوستان میں موجودہ حالات میں دعوت کا طریق کار کیا ہو۔ حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں اور ہم کو ہر وقت طریقہ دعوت پر نظر ثانی کرنی ہوگی۔ آج پھر نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے۔

کیا آپ نے ان دو مسائل کے بارے میں اب تک سوچا ہے۔ اگر نہیں سوچا ہے تو خوب ٹھنڈے دل سے سوچیے کیا آپ نے ان مسائل کے سلسلہ میں مذاکرات کئے ہیں اور ان کی روداد سے عام مسلمانوں کو مطلع کیا ہے اگر نہیں۔ تو براہ کرم اسی انداز سے مذاکرات شروع کیجیے اور حیات نو کے ذریعہ لوگوں کو اپنی رائیں جانیے اور لوگوں سے ان کی رائیں مانگیے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان حیات نو ایک عظیم خدمت انجام دے اور قارئین حیات نو کو توفیق دے کہ خاموش تماشائی بننے کے بجائے وہ اس جریدہ کے ذریعہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں ممد ومعاون ہوں آمین۔

حضرت نعمان بن مُقرّن رضی اللہ عنہ

تحریر۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن پاشا   ترجمانی۔ ابو جاوید

قبیلہ بنو مزینہ کی بستیاں مدینہ یثرب کے قریب اس راستے پر واقع تھیں جو مدینہ اور مکہ کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لا چکے تھے۔ اور آنے جانے والوں کے ذریعے آپؐ کے حالات برابر مزینہ والوں تک پہنچتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ رات کے وقت رئیس مزینہ نعمان بن مقرن اپنی مجلس میں اپنے بھائیوں اور قبیلہ کے دوسرے سرکردہ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"خدا کی قسم اب تک محمدؐ کی شخصیت کے بارے میں صرف خیر اور بھلائی کی باتیں ہی ہمارے علم میں آئی ہیں اور انکی دعوت کے متعلق ہم نے اب تک صرف رحمت و مروت اور احسان و عدل کی باتیں ہی سنی ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ انکی دعوت کو قبول کرنے میں دیر کر رہے ہیں جبکہ دوسرے لوگ تیزی کے ساتھ اس کی طرف لپک رہے ہیں"۔ انہوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"میں خود صبح کر کے ان کے پاس جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ تم میں سے جو لوگ میرے ساتھ چلنا چاہیں وہ تیار ہو جائیں"۔

نعمان کی یہ باتیں حاضرین مجلس کے دلوں میں گھر کر گئیں۔ انہوں نے صبح کو دیکھا کہ ان کے دسوں بھائی اور بنو مزینہ کے چار سو سوار ان کے ساتھ مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے اور اللہ کے دین میں داخل ہونے کیلئے تیار کھڑے ہیں۔ مگر نعمان کو اتنے بڑے وفد کے ساتھ نبی کریمؐ اور مسلمانوں کیلئے کوئی ہدیہ ساتھ لئے بغیر خالی ہاتھ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے میں شرم محسوس ہو رہی تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ حالیہ خشک سالی نے جو ابھی جلد ہی بنو مزینہ پر گزری تھی ان کے تمام فصلوں اور مویشیوں کو تباہ کر ڈالا تھا۔ پھر بھی انہوں نے اپنے اور اپنے

بھائیوں کے گھروں کے چکر لگائے اور ان تمام بکریوں کو اکٹھا کیا جو قحط سے بچ گئی تھیں۔ وہ انہیں اپنے آگے ہانکتے ہوئے نبی کریمؐ کی خدمت میں لائے اور انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے رسول اللہ کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ نعمان ابن مقرن اور ان کے ساتھ والوں کے مسلمان ہونے کی خبر سن کر مدینہ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ اس لئے کہ اب تک عرب کے کسی ایک گھر کے گیارہ سگے بھائی اور ان کے ساتھ چار سو سوار بیک وقت دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت نعمان بن مقرن کے مسلمان ہونے کی وجہ سے بے حد خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بکریوں کو قبول فرمالیا اور ان کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ
قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ
اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ
فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اور انہی بدویوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسول کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ہاں! وہ ضرور ان کے لئے تقرب کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ ضرور ان کو اپنی رحمت میں داخل کریگا۔ یقیناً اللہ درگذر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے

(توبہ۔ ۹۹)

حضرت نعمان ابن مقرنؓ پرچم رسولؐ کے زیر سایہ آ گئے اور وہ کسی تاخیر اور کوتاہی کے بغیر رسول اللہؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ اور جب خلافت کی ذمہ داریاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اوپر آن پڑیں تو انہوں نے اور انکے قبیلہ مزینہ نے خلوص و ایمان کے ساتھ ان کا ساتھ دیا اور فتنۂ ارتداد کے استیصال میں اہم اور موثر رول ادا کیا اور پھر جب حضرت عمر ابن خطابؓ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو ان کے دور میں بھی انہوں نے ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کے ذکر میں تاریخ ہمیشہ رطب اللسان رہے گی۔

قادسیہ میں ایرانیوں کے ساتھ معرکہ آرائی سے چند روز قبل لشکر مجاہدین کے قائد

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اسلام کی دعوت پہنچانے کے لئے حضرت نعمان ابن مقرنؓ کی قیادت میں ایک وفد کسریٰ یزدگرد کے پاس بھیجا جب یہ وفد ایران کے دارالسلطنت مدائن پہنچا تو اس نے دربار شاہی میں داخلے کی اجازت چاہی۔ کسریٰ نے انہیں اجازت دی پھر اپنے ترجمان کو بلا کر اس سے کہا۔

"ان سے دریافت کرو کہ تم ہمارے ملک میں کس غرض سے آئے ہو اور کس چیز نے تمہیں ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر اکسایا ہے۔ شاید تم لوگوں کے اندر ہمارے ملک پر حملہ کرنے کی جرأت اور اس پر قبضہ کرنے کی خواہش اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ ہم اپنی مصروفیات کے باعث تمہاری طرف سے غافل ہو گئے ہیں۔"

حضرت نعمان ابن مقرنؓ نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"اگر تم لوگ چاہو تو میں تمہاری طرف سے جواب دوں، اور اگر تم میں سے کوئی بولنا چاہتا ہو تو میں اسے اپنے آپ پر ترجیح دوں گا۔"

"نہیں آپ ہی جواب دیں۔" سب نے ایک زبان ہو کر کہا اور پھر ان لوگوں نے کسریٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ ہم سب لوگوں کی طرف سے جواب دیں گے۔ تم ان کی باتیں غور سے سنو۔"

حضرت نعمانؓ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور اس کے رسولؐ پر درود و سلام بھیجا پھر کہا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر رحم فرمایا۔ ہمارے پاس ایک رسول بھیجا جس نے خیر کی طرف ہماری رہنمائی کی اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ ہمیں شر سے آگاہ کیا اور اس کے ارتکاب سے روکا۔ اور ہم سے اس بات کا وعدہ فرمایا کہ اگر ہم اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا فرمائے گا۔ ہم نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا اور زیادہ مدت نہیں گذری کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری تنگی کو کشادگی سے، ہماری ذلت کو عزت سے اور ہماری باہمی عداوت و دشمنی کو بھائی چارگی اور مرحمت میں تبدیل کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس بات کا بھی حکم دیا کہ ہم دوسرے لوگوں کو بھی اس دین کی دعوت دیں جس میں ان کی بھلائی کا راز پوشیدہ ہے۔ انہوں نے ہم کو اس بات کا بھی حکم دیا کہ ہم اس کام کا آغاز اپنے پڑوس کے لوگوں سے کریں۔ اس لئے ہم تم

لوگوں کو اس دین میں داخل ہونے کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ ایسا دین ہے جس نے ساری بھلائی کی باتوں کی تحسین کی ہے اور ان کی قبولیت پر ابھارا ہے اور تمام برائیوں کو برائی قرار دیا ہے اور ان سے اجتناب کرنے کی تاکید کی ہے۔ وہ اپنے قبول کرنے والوں کو کفر و ظلم و جور کی تاریکی سے نکال کر نور ایمان اور عدل و انصاف کی روشنی میں داخل کرتا ہے۔ اگر تم ہماری دعوت کو قبول کر لوگے تو ہم تمہارے سامنے اللہ کی کتاب کو پیش کریں گے اور تم کو اس پر قائم کریں گے تاکہ تم اس کے مطابق حکومت کرو اور پھر ہم تم کو تمہارے حال پر چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔ لیکن اگر تم نے خدا کے دین میں داخل ہونے سے انکار کیا تو ہم تم سے جزیہ وصول کریں گے اور اس کے بدلے میں تمہاری حفاظت اور حمایت کریں گے اور اگر تم نے جزیہ دینے سے انکار کیا تو پھر تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

یزدگرد حضرت نعمان ابن مقرنؓ کی یہ تقریر سن کر غیظ و غضب سے مشتعل ہو گیا۔ اور بولا

"میں روئے زمین پر کسی ایسی قوم کو نہیں جانتا جو تم سے زیادہ بدبخت، تم سے زیادہ قلیل التعداد اور تم سے زیادہ غیر منظم و بدحال ہو۔ ہم تمہارے معاملے کو اپنے سرحدی حاکموں کے حوالے کر دیتے تھے جو ہمارے لئے تم سے اطاعت کا عہد لیتے تھے۔" پھر اس نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم اپنی تنگدستی اور مفلسی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ادھر آئے ہو تو ہم تمہارے علاقے میں خوشحالی کے واپس آنے تک تمہاری ضروریات کا بندوبست کر دیں گے۔ تمہاری قوم کے سرداروں کو خلعت سے نوازیں گے اور تمہارے اوپر اپنی طرف سے کسی ایسے شخص کو حاکم مقرر کر دیں گے جو تمہارے ساتھ نرمی کریگا۔"

ارکان وفد میں سے ایک شخص نے اس کی اس بات کا ایسا سخت اور دنداں شکن جواب دیا کہ جس کو سن کر اس کے غیظ و غضب کی آگ اور زور سے بھڑک اٹھی اس نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا۔

"اگر قاصدوں کا قتل غلط نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کو قتل کرا دیتا۔ اٹھو اور چلے جاؤ یہاں سے۔ اب میرے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں ہے۔ اور جاکر اپنے قائد سے بتا دینا کہ میں اس کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے رستم کو بھیج رہا ہوں جو اسے اور تم سب لوگوں کو ایک ساتھ قادسیہ کے خندق میں

"دفن کر دے گا۔"

پھر اس نے مٹی سے بھری ہوئی ایک ٹوکری لانے کا حکم دیا اور اپنے آدمیوں سے کہا کہ "یہ ٹوکری اس شخص کے سر پر رکھ دی جائے جو ان میں سب سے زیادہ معزز ہے۔ اور انھیں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے شہر کے دروازوں کے باہر نکال دیا جائے۔"

انھوں نے وفد سے پوچھا کہ "تم میں سب سے زیادہ معزز کون شخص ہے؟"

حضرت عاصم ابن عمرؓ نے جلدی سے کہا "میں۔"

یزدگرد کے آدمیوں نے مٹی سے بھری ہوئی وہ ٹوکری ان کے سر پر رکھ دی اور وہ اسے لیکر مدائن سے نکل گئے پھر اسے اپنی اونٹنی پر رکھ کر حضرت سعد ابن ابی وقاص کی خدمت میں لائے اور ان کو اس بات کی خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ عنقریب مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا اور ایران کی زمین پر ان کو قبضہ دے گا۔

اس کے بعد قادسیہ کا وہ زبردست معرکہ پیش آیا جس نے اس کی خندق کو مقتولین کی لاشوں سے پاٹ دیا۔ لیکن وہ لاشیں مسلمان فوجیوں کی نہیں، کسریٰ کے لشکریوں کی تھیں۔

قادسیہ کی اس شرمناک ہزیمت اور عبرتناک شکست کے بعد بھی ایرانیوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے۔ انھوں نے از سر نو اپنی منتشر جمعیت کو یکجا کیا اور نئے سرے سے ان کو ترتیب دیا یہاں تک کہ منتخب اور آزمودہ کار سپاہیوں پر مشتمل ایک بہترین فوج تیار ہو گئی جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔ جب حضرت عمر فاروقؓ کو ایرانیوں کی ان فوجی تیاریوں کا علم ہوا تو انھوں نے بنفس نفیس اس عظیم خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے محاذ جنگ پر جانے کا ارادہ کیا لیکن ذی رائے اور سربرآوردہ صحابہ نے انھیں اس ارادے سے باز رکھا اور انھیں مشورہ دیا کہ وہ اس زبردست مہم کو سر کرنے کی ذمہ داری کسی قابل اعتماد شخص کے سپرد کر دیں۔

"تو پھر مجھے کسی ایسے آدمی کے متعلق مشورہ دو جس کو پورے اعتماد کے ساتھ یہ زبردست ذمہ داری سونپی جا سکے۔" خلیفہ نے فرمایا

"امیر المومنین! آپ اپنی سپاہ کو مجھ سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔" صحابہؓ نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم! میں لشکر مجاہدین کی قیادت ایک ایسے شخص کے سپرد کروں گا جو دو فوجوں میں مڈبھیڑ

کے وقت ——— نیزے کی انی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ لپکنے والا ہے۔ وہ نعمان ابن مقرن مزنی ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"یقیناً وہ اس مہم کے لئے آپ کا مناسب ترین انتخاب ہیں۔" صحابہؓ نے جواب دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت نعمان بن مقرنؓ کو لکھا۔

"اللہ کے بندے عمر بن خطابؓ کی طرف سے نعمان بن مقرنؓ کے نام

اما بعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایرانیوں کی ایک زبردست جمعیت تمہارے مقابلے کے لیے نہاوند میں مجتمع ہوئی ہے۔ جب میرا یہ خط تم کو ملے تو لشکر مجاہدین کو اپنے ساتھ لے کر اللہ کے حکم سے، اس کی نصرت و تائید پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ اور دیکھو مسلمانوں کو لے کر کسی دشوار گذار اور تکلیف دہ راستے سے ہرگز سفر نہ کرنا جس سے وہ تکلیف و اذیت میں مبتلا ہو جائیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں کا ایک ایک فرد میرے نزدیک ہزاروں دینار سے بہتر ہے۔

والسلام علیک۔"

حضرت نعمان بن مقرنؓ کو امیر المومنینؓ کا یہ خط ملا تو وہ اپنے لشکر کو لے کر دشمن کے مقابلے کے لیے نکل پڑے۔ انھوں نے سواروں کا ایک دستہ ہراول کے طور پر آگے روانہ کر دیا تاکہ وہ راستے میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرتے چلیں۔ جب سواروں کا یہ دستہ نہاوند کے قریب پہنچا تو ایک جگہ پہنچ کر ان کے گھوڑے رک گئے۔ سواروں نے انھیں آگے بڑھانے کی بہتری کوشش کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ معاملے کی تحقیق کے لئے نیچے اترے۔ دیکھا تو گھوڑوں کے سُموں میں لوہے کے گوکھرو چبھے ہوئے ہیں جو کیلوں کے سروں سے مشابہ ہیں۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ ایرانیوں نے زمین پر نہاوند کی طرف جانے والے تمام راستوں میں لوہے کے یہ گوکھرو بکھیر رکھے ہیں۔ تاکہ سواروں اور پیدل چلنے والوں کو نہاوند تک پہنچنے سے باز رکھیں۔

سواروں نے اس صورت حال سے حضرت نعمان بن مقرنؓ کو آگاہ کیا اور ان سے خواہش کی کہ وہ اس سلسلے میں انھیں اپنی رائے سے مستفید فرمائیں۔ حضرت نعمانؓ نے انھیں حکم بھیجا کہ وہ اپنی جگہ ٹھہرے رہیں۔ اور رات کے وقت آگ روشن کریں تاکہ دشمن انھیں دیکھ لیں اس کے بعد بظاہر دشمن سے خوف زدگی کا اظہار کرتے ہوئے پسپائی اختیار کریں تاکہ دشمن ان پر حملہ آور

ہونے کیلئے آگے بڑھیں اور رستے کے گوگھرو جو دشمنوں نے بکھیر رکھے ہیں ان سے راستوں کو صاف کرا دیں۔

حضرت نعمانؓ کی یہ تدبیر کامیاب ثابت ہوئی۔ ایرانیوں نے جیسے ہی یہ دیکھا کہ مسلمانوں کا ہراول دستہ ان کے سامنے سے شکست کھا کر پسپا ہو رہا ہے تو انھوں نے اپنے آدمیوں کو ان راستوں کی صفائی کرنے کے لئے بھیج دیا۔ وہ انھوں نے جھاڑو دے کر تمام راستوں کو ان گوگھروں سے صاف کر دیا۔ اس کے بعد مسلمان سوا تیزی سے مڑے اور تمام راستوں پر قابض ہو گئے۔

حضرت نعمان بن مقرن اپنی فوج کے ساتھ نہاوند کے بالائی حصے کی طرف خیمہ زن ہو گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ دشمن پر اس کی بے خبری کے عالم میں اچانک حملہ کیا جائے۔ اس لیے انھوں نے اپنے فوجیوں سے فرمایا کہ "میں تین تکبیریں کہوں گا۔ جب میں پہلی تکبیر کہوں تو جو شخص تیار نہ ہو وہ تیار ہو جائے۔ جب دوسری تکبیر کہوں تو تم میں سے ہر شخص اپنی اپنی تلوار بے نیام کر لے۔ اور تیسری تکبیر کہتے ہی میں ان دشمنان خدا پر حملہ کر دوں گا۔ اسی وقت تم لوگ بھی میرے ساتھ حملہ کر دینا۔"

حضرت نعمان بن مقرن نے پے در پے تین تکبیریں کہیں۔ اور آخری تکبیر کے ساتھ ہی وہ ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن کی صفوں پر جھپٹ پڑے۔ ان کے پیچھے ہی مسلمانوں کا لشکر بھی سیلاب کی سی تیزی کے ساتھ بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا۔ اور پھر دونوں فوجیں باہم ٹکرائیں، ان کے درمیان جنگ کی چکی تیزی کے ساتھ چلنے لگی اور فریقین کے مابین ایسا خون ریز اور ہلاکت آفریں معرکہ چھڑ گیا جس کی مثال جنگوں کی تاریخ میں بہت کم گذری ہوگی۔ آخر کار ایرانیوں کا لشکر بری طرح سے منتشر اور پراگندہ ہو گیا۔ میدان قادسیہ کے تمام نشیب و فراز ان کے مقتولین کی لاشوں سے پٹ گئے اور ان کا خون تمام گذرگاہوں اور راستوں میں بہنے لگا۔ حضرت نعمانؓ بن مقرن کا گھوڑا اس میں پھسل کر گر پڑا۔ حضرت نعمانؓ بھی گھوڑے سے گرے اور شدید طور پر زخمی ہو گئے۔ اور آخر کار زخموں کی تاب نہ لا کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے علم اپنے ہاتھ میں سنبھالا اور ان کی لاش کو ایک چادر سے چھپا دیا۔ اور ان کی شہادت کو مسلمانوں سے پوشیدہ رکھا۔ جب یہ فتح عظیم اپنے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی جس کو مسلمانوں نے فتح الفتوح کا نام دیا تھا ــــ تو مظفر و منصور سپاہ نے اپنے بہادر سپہ سالار حضرت نعمان بن مقرنؓ کے متعلق دریافت کیا۔ تو ان کے بھائی نے ان کی لاش پر سے چادر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ ہیں تمہارے امیر۔ اللہ تعالیٰ نے فتح و کامرانی سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی ہے۔ اور آخر کار انھیں دولت شہادت سے نوازا ہے۔"

عطا عابدی (دربھنگہ)

جاگتے رہنا

(تضمین بر غزل دوراں)

ہے ظلم کے ہاتھوں میں کماں جاگتے رہنا　　ہر موڑ پہ رہزن ہیں یہاں جاگتے رہنا
ڈوبا ہے اندھیروں میں جہاں جاگتے رہنا　　اے ہم نفسو شب ہے گراں جاگتے رہنا
"ہر لحظہ ہے یاں خطرۂ جاں جاگتے رہنا"

اس دل کے چمن کو نہ کہیں وقت جلا دے　　ہنستے ہوئے پھولوں کو نہ یہ راکھ بنا دے
ناکردہ گناہوں کی نہ ہم سب کو سزا دے　　ایسا نہ ہو یہ رات کوئی حشر اٹھا دے
"اٹھتا ہے ستاروں سے دھواں جاگتے رہنا"

جب دیکھ رہا ہے کہ عجب رنگ زمیں ہے　　تو راہ طلب چھوڑ کے کیوں گوشہ نشیں ہے
نشتر سی کوئی چیز رگ جاں کے قریں ہے　　اب حسن کی دنیا میں بھی آرام نہیں ہے
"ہے شور ہر کوئے بتاں جاگتے رہنا"

مالی ہے کہتے ہو وہ پاگل ہے رفیقو　　کلیوں کا تبسم تو بس اک چھل ہے رفیقو
صحرائے المناک ہے، جنگل ہے رفیقو　　یہ صحن گلستاں نہیں مقتل ہے رفیقو
"ہر شاخ ہے تلوار یہاں جاگتے رہنا"

ہشیار و خبردار جو رہتا ہے ہر اک آن　　دنیا میں کسی غیر کا لیتا نہیں احسان
ہر گام پہ ہوتا ہے وہ خود اپنا نگہباں　　بیداروں کی دنیا کبھی لٹتی نہیں دوراں
"اک شمع لیے تم بھی یہاں جاگتے رہنا"

مظفر حسین

علامہ اقبال کی جمہوری سوچ

علامہ اقبالؒ نے ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۱ء کے دوران "ہندوستان ریویو" میں اسلام کے سیاسی نظریات پر دو مقالے تحریر کیے۔ اُن میں سے ایک مقالہ "اسلام بحیثیت ایک اخلاقی اور سیاسی نصب العین" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مقالے میں آپ نے نظریۂ جمہوریت کی زبردست تائید کی ہے اور دنیا میں اسے فروغ دینے کے سلسلے میں سلطنتِ برطانیہ کو زوردار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اس کی روحِ جمہوریت کی بنا پر اسے دنیا کی سب سے بڑی محمڈن سٹیٹ قرار دیا ہے۔ اس مضمون میں وہ لکھتے ہیں:

"اسلام کو اگر ہم ایک سیاسی نصب العین کے اعتبار سے دیکھیں تو اس کا اہم ترین پہلو جمہوریت ہے۔ ہمیں اپنی اس ناکامی کا اعتراف ہے کہ انفرادی آزادی اگرچہ اسلام کا نصب العین ہے لیکن ہم ایشیا کی سیاسی اصلاح و ترقی کے لیے کچھ بھی نہیں کر پائے۔ مسلمانوں میں جمہوریت صرف تیس برس تک رہی اور ان کی سیاسی توسیع کے ساتھ غائب ہو گئی...... یہ بات مغربی اقوام کے حصے میں آئی کہ وہ اصولِ جمہوریت کی بنیاد پر ایشیائی ممالک کو سیاسی تقویت دیں۔"

برطانوی حکومت کے جمہوری کردار کی تعریف کرتے ہوئے وہ رقمطراز ہیں:

"عصرِ جدید میں جمہوریت انگلستان کا عظیم مشن ہے اور برطانوی مدبرین اس اصول کو بڑی جرأت مندی سے اُن ممالک میں اپنے ساتھ لے گئے جو صدیوں سے بدترین قسم کے جبر و استبداد کے بوجھ تلے کراہ رہے تھے۔ سلطنتِ برطانیہ آج ایک بہت بڑی ہیئتِ سیاسیہ ہے جس کی تمام تر قوت کا انحصار اسی اصول (جمہوریت) کی بتدریج رونمائی میں ہے۔ سلطنتِ برطانیہ کا استمرار (اس اصول کی بنا پر) بنی نوعِ انسان کے سیاسی ارتقا میں جو کردار ادا کر رہا ہے، وہ ہمارے اپنے مفاد میں ہے۔ یہ وسیع و عریض سلطنت ہماری تمام تر ہمدردی اور احترام کی سزاوار ہے کیونکہ اس کی (جمہوری) کا دشمن

ہے ہمارے اپنے ہاں سیاسی نصب العین کا ایک اہم پہلو آہستہ آہستہ ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ اس طرح انگلستان درحقیقت ہمارے ان فرائض کو انجام دے رہا ہے جنہیں نامساعد حالات نے ہمیں ادا کرنے سے روکے رکھا۔ سلطنتِ برطانیہ اگر آج دُنیا کی سب سے بڑی محمڈن سٹیٹ ہے تو وہ مسلمانوں کی اس بڑی تعداد کی وجہ سے نہیں جو اس کی حفاظت میں ہیں بلکہ اس کی (جمہوری) روح کی وجہ سے ہے۔"

جمہوریت کے بارے میں علامہ اقبالؒ کی یہ گرمجوشی جمہوریت کے بنیادی تصورات کی وجہ سے ہے۔ مشہور امریکی مفکر تھامس وولز مسٹر کے نزدیک جمہوریت درحقیقت ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے جو تین بنیادی تصورات: قوت، حریت اور مساوات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب "دی ڈیموکریٹک وے آف لائف" میں ان تینوں تصورات کی بڑی تفصیل اور خوبصورتی سے وضاحت کی ہے۔ علامہ اقبالؒ بھی اگر جمہوریت کی تعریف میں رطب اللسان ہیں تو انہی بنیادی تصورات کی بنا پر، چنانچہ وہ اسلام کی ہیئتِ سیاسیہ میں کارفرما دو اہم اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلا اصول اللہ تعالیٰ کے قانون کی مطلق فرمانروائی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی معاشرتی ساخت میں قانونِ الٰہی کی تشریح و توضیح کے سوا اور کسی قسم کے منصب اقتدار کی مرے سے گنجائش ہی نہیں۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک شخصی اقتدار اسلام کے لئے دہشتناک ہے کیونکہ شخصی حکومت کی صورت میں لوگوں کی انفرادی نشوونما رک جاتی ہے اور خودی کے لئے ماحول سازگار ہو جاتا ہے۔

دوسرا بڑا اصول انسانی مساوات کا اصول ہے اور یہ وہ اصول ہے جس نے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو دنیا کی سب سے بڑی سیاسی قوت بنا دیا تھا۔ انسانی مساوات کے اس اسلامی اصول کی وجہ سے فرد کو اپنی اندرونی قوت کا احساس ہوتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اسلام نے اسی اصول کی بنیاد پر سماجی اعتبار سے پست لوگوں کو معاشرے میں ایک بلند مقام دلایا جو کہ اسلام کی سیاسی قوت کا سب سے بڑا راز ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو اسی اصول کی بنا پر سیاسی عروج حاصل ہوا اور برطانوی حکومت کا استحکام بھی اسی کا نتیجہ تھا۔ علامہؒ اس بات پر بہت افسوس ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں مساوات و اخوت کا اسلامی جذبہ بہت کمزور پڑ گیا ہے جو ان کے سیاسی زوال پر منتج ہوا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ہمارے مذہبی منجموں نے مختلف فرقے اور برادریاں پیدا کر دی ہیں جو ہمیشہ آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی ہیں۔ پھر ان میں ہندوؤں کی طرح ذاتیں اور گوتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ یقیناً ہم اس معاملے میں ہندوؤں سے بھی بڑھ کر ہندو ہو گئے ہیں اور ذات پات کے دہرے نظام میں گرفتار ہیں۔ ایک طرف مذہبی فرقے ہیں اور دوسری طرف ذات پات کا امتیاز جو ہم نے ہندوؤں سے سیکھا اور ورثے میں پایا ہے۔"

یہ فرقے، برادریاں اور ذات پات مساوات اور اخوت کے اصولوں کے خلاف ہیں، اس لئے جمہوریت اور اسلام دونوں میں ان کی گنجائش نہیں، چنانچہ علامہ اقبال جمہوری مزاج کو اگر اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ پاتے ہیں تو محض اس بنیاد پر کہ یہ اخوت و مساوات اور حریت کے اصولوں پر قائم ہے۔ رہا جمہوریت کا اکثریتی اصول تو علامہ اس کے ہرگز قائل نہیں بلکہ شدید مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نوع انسان کی تاریخ میں اکثریت کے بجائے ہمیشہ اقلیتیں ہی طاقتور عنصر رہی ہیں جس کے نفسیاتی اسباب ہیں۔ ان کے خیال میں اعلیٰ فکر اور اعلیٰ کردار کے لئے جمہوریت کا اکثریتی اصول سم قاتل ہے:

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

(جمہوریت سے بچو اور کسی پختہ کار کا دامن تھام لو کیونکہ دو سو گدھوں کے دماغ مل کر ایک انسانی فکر کی برابری نہیں کر سکتے۔)

؎ جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"کردار ایک ایسی غیر مرئی قوت ہے جو قوموں کی تقدیر ساز ہے اور اکثریت میں شدت کردار ممکن ہی نہیں کیونکہ یہ ایک ایسی قوت ہے جسے جتنا زیادہ تقسیم کیا جائے گا، اُتنی ہی کمزور پڑ جائے گی۔"

اسی بنا پر ان کے نزدیک خودی کی نشو و نما کے لئے ذوق جمہور خطرناک ہے:

از خودی دُور است و رنجور است و بس   رہبر او ذوق جمہور است و بس

وائے بر دستور جمہور فرنگ   مردہ تر شد مردہ از صور فرنگ

(انسان خودی سے دور اور آلام و مصائب کا شکار اس وجہ سے ہے کہ اُس نے مغربی جمہوریت کو اپنا رہبر بنا رکھا ہے۔ فرنگی جمہوری نظام پر افسوس ہے کہ اُس نے جو صور پھونکا ہے اُس سے مُردہ زندہ ہونے کے بجائے مردہ تر ہو گیا۔)

کیونکہ مغرب میں جمہوریت رضائے الٰہی کے تابع نہیں بلکہ محض رضائے اکثریت کے تابع ہے، اس لئے وہاں تمیز خیر و شر کے مٹانے میں اس کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔

زمن دہ اہل مغرب را پیامے   کہ جمہور است تیغ بے نیامے
چہ شمشیرے کہ جانہا مے ستاند   تمیز مسلم و کافر نداند

(میری طرف سے اہل مغرب کو یہ پیام دے دو کہ جمہوریت ایک تیغ بے نیام ہے۔ یہ کیسی شمشیر ہے جو انسانی جسم سے روح کھینچ لیتی ہے اور مسلم، کافر کی تمیز نہیں جانتی!)

یہی وجہ ہے کہ اکثریت کے ذوق جمہوری کی بنا پر ایسے لوگ مسند اقتدار پر بٹھا دیے گئے جو اپنے جبر و استبداد میں ہلاکو اور چنگیز سے کم نہیں تھے

؎ تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام   چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر
؎ دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب   تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
؎ فرنگ آئین جمہوری نہاد است   رسن از گردن دیوے کشاد است

(مغرب نے جمہوری نظام کی بنیاد رکھی اور جمہوریت کا جن کھلا چھوڑ دیا ہے۔)

علامہ اقبال کا سارا زور اس بات پر ہے کہ جمہوریت کو دیو استبداد بننے سے اگر کوئی چیز روک سکتی ہے تو وہ فقط یہ ہے کہ اسے قانون الٰہی کے تابع رکھا جائے:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو   جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جمہوریت اگر قانون الٰہی کے تابع نہ ہو تو یہ درحقیقت مُلوکیت ہی کی ایک شکل ہے جسے ہم اپنی تسلی کے لئے جمہوریت کا نام دے دیتے ہیں۔

؎ ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس   جب ذرا آدم ہُوا ہے خود شناس و خود نگر
؎ گرمیٔ ہنگامۂ جمہور دید   پردہ بر روئے ملوکیت کشید

(انسان نے جمہوریت کی ہنگامہ خیز ہاں دیکھی ہے اور یہ تو جمہوریت کے پردے میں بادشاہت ہے۔)

بہرحال موجودہ دور جمہوریت کا دور ہے اور جب سے آدم خود اخود شناس و خود نگر ہوا ہے، وہ ملوکیت میں کسی فرد واحد کے بلاشرکت غیرے اقتدار کو تسلیم کرنے کا روادار نہیں۔

؎ نغمۂ بیداریٔ جمہور ہے سامانِ عیش — قصۂ خواب آورِ اسکندر و جم کب تلک

؎ سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ — جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مغربی جمہوریت بھی انسانی مسائل کا حل نہیں۔ علامہ اقبال ایک جگہ مشرق و مغرب کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

؎ یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید — وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری

وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ جمہوریت کو فروغ دینے میں یورپ کا بڑا حصہ ہے مگر یورپ کی فساد زدہ خودی نے وہاں باہم دگر حریف جمہوریتیں پیدا کی ہیں جن کا واحد مقصد ہی یہ ہے کہ وہ دولت مندوں کے لئے غریبوں کا استحصال کریں۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک چونکہ جمہوریت کے بنیادی تصورات کی اساس ہی ... پر ہے، اس لئے وہ لادینی جمہوریت کے مضر اثرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں؛ چنانچہ وہ تلقین کرتے ہیں:

"ہمیں چاہیے آج اپنے موقف کو سمجھیں اور اپنی حیاتِ اجتماعیہ کی از سرِ نو تشکیل اسلام کے بنیادی اصولوں کی رہنمائی میں کریں تاکہ اس کی وہ غرض و غایت جو ابھی تک فقط جزواً ہمارے سامنے آئی ہے یعنی اس روحانی جمہوریت کی نشو و نما جو اس کا مقصود و منتہا ہے، تکمیل کو پہنچ سکے۔"

بقیہ اداریہ

نبوت کے اصولوں کو اپنائیں اور اخلاق و کردار کا اعلیٰ نمونہ بن جائیں، وحی کے الفاظ میں "ادفع بالتی ھی احسن" کا ثبوت دیں اور صاحبِ نبوت کی زبان میں اپنی زبانِ حال سے کہیں "وہ مجھے نہیں جانتے، وہ مجھے نہیں جانتے"۔ روشنی کو گالی دینے والے اور سورج پر تھوکنے والوں کو ایک دن اس کا پتہ چل ہی جائے۔

جس کا جی چاہے کسی رخ سے اٹھا کر دیکھ لے
کس قدر بے داغ ہے سیرت رسول اللہ کی

طارق [illegible] ندوی
۱۸/۷/۱۹۹۶

شبیر احمد اصلاحی

مسلمانوں سے خطاب

اے مسلماں ہوش میں آ یہ نہیں تیرا مقام — خوابِ غفلت میں رہے تو اور ہو باطل نظام
دیکھ پھر پھیلا دیا ہے شیطاں نے دامِ ہوس — بن گیا ہے ابنِ آدم ابنِ آدم کا غلام
جھوٹ ہے غارت گری ہے چھینیاں ہیں ظلم ہے — نامِ حق مٹنے لگا ہے، ہاں ریاکاری ہے عام
کیوں نہیں گفتارِ آدم کیوں نہیں ہمراز غم — کیسے تو سوتا ہے مسلم، نیند ہے تجھ پر حرام
اٹھ تجھے روحِ پیمبر آج دیتی ہے صدا — قبر میں بے چین ہیں ارواحِ اصحابِ کرام
تیرے ان اسلاف نے سینچا تھا اپنے خون سے — حق کے جس پودے کو مسلم! آج ہے وہ تشنہ کام
کیسے تیرے خون میں اب سرد مہری آ گئی — کس نے جادو کر دیا کیوں ہو گئے دشمن بکام
امر بالمعروف ہے، ناہی عن المنکر ہے تو — تجھ کو مولیٰ نے بنایا ہے زمانے کا امام
پاس رکھ منصب کا اپنے سرد مہری چھوڑ دے — کس کمر، ہاں اٹھا لے حق کی یہ تیغِ بے نیام
نورِ ایماں ہو گا اور عزم کی شمشیر ہو — اور مئے وحدت سے چھلکا ہو ترا لبریز جام
عدلِ فاروقی کا نقشہ پھر زمانے کو دکھا — ابرِ رحمت بن کے برسے سب پہ اسلامی نظام

نیکیاں پروان پائیں تقویٰ پرستی عام ہو
رہ نہ جائے اور کوئی ابنِ آدم کا غلام

ال آم

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو

آزادی بڑی پیاری چیز ہے۔ اتنی پیاری کہ اس کے حصول کے لئے قربانیاں دی جاتی ہیں، جانیں نچھاور کی جاتی ہیں اور ہزاروں لاکھوں بے گور و کفن لاشیں خاک و خون میں تڑپتے نظر آتے ہیں اور آزادی ہے بھی بڑی پیاری چیز۔ اس کے لئے جتنی جانیں دی جائیں، جتنے سر کٹائے جائیں اور جتنا خاک و خون میں تڑپا جائے کم ہے۔ زندہ اور بیدار قومیں آزادی کو پسند کرتی ہیں کیونکہ آزاد فضا اور آزاد ماحول میں ان کے جوہر نکھرتے ہیں، ان کی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں، ان کی قوت کارکردگی دوچند ہوتی ہیں اور ان کا فکر و فن ترقی اور عروج کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ وہ برابر آگے بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہیں۔

اس کے بالمقابل ایک اور لفظ ہے جو بڑا گھناونا اور مکروہ ہے۔ جس سے ہر ایک نفرت کرتا ہے اور جس سے ہر ایک دور بھاگتا ہے وہ لفظ ہے "غلامی"۔ علامہ اقبال نے کہا تھا:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں

جب کوئی قوم اور ملت خدائی ہدایات سے بے نیاز ہو کر زندگی گذارنے کا فیصلہ کرتی ہے اور اپنے پیدا کرنے والے سے بغاوت اور سرکشی کا رویہ اختیار کرتی ہے یا خدائی ہدایات سے صریحاً انکار یا اعراض تو نہیں کرتی مگر غفلت اور بے اعتنائی کی روش پر گامزن ہوتی ہے اور اسے اپنی زندگیوں پر جاری وساری نہیں کرتی دونوں صورتوں میں خدا کے غضب کا شکار ہوتی ہے۔ یہ غضب کبھی سخت و شدید ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ قوم صفحہ ہستی سے مٹا دی جاتی ہے اور دوسری قوموں کے لئے عبرت بنا دی جاتی ہے اور کبھی نرم اور تنبیہ کے لئے ہوتا ہے جس میں قوم اور ملت تو باقی رہتی ہے مگر اس کو پے بہ پے تنبیہات اور سگنلس دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ سنبھل جائے اور اپنی روش سے باز آجائے۔ قرآن کریم میں ہم کو دونوں طرح کی مثالیں ملتی ہیں۔ عاد و ثمود اور بنی اسرائیل کو قرآن نے سیکڑوں مقامات پر مختلف انداز میں پیش کیا ہے تاکہ ہم ان سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں اور ان دونوں گروہوں کی روش سے باز آجائیں۔

مگر آج ہم خود اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں فرعون کے زمانے میں بنی اسرائیل کھڑے تھے۔ جزوی فرق تو ممکن ہے لیکن کلیتاً ہماری پوزیشن ان سے مختلف نہیں ہے۔

غلامی بھی خدا کی سزاؤں میں سے ایک سزا اور اس کی تنبیہات میں سے ایک تنبیہ ہے۔ غلامی خواہ کسی کی بھی ہو، وہ دوسری اقوام کی سیاسی اور معاشی بالادستی کی صورت میں یا اپنوں کی ڈکٹیٹرشپ اور شہنشاہیت کی صورت میں بہرحال غلامی ہے اور نتائج کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں آتا۔ اگر فرعون کی غلامی نے بنی اسرائیل کو فکر و دل کی پستیوں میں ڈھکیل دیا اور ان کے سوچنے سمجھنے کی قوت کو سلب کر کے جانوروں کی سطح سے بھی پست کر دیا تو اسلام میں شہنشاہیت کے وجود نے دین و سیاست کو الگ کر کے خانقاہیت کے تصور کو آگے بڑھایا اور صوفی ازم کو فروغ حاصل ہوا۔ اور سوچنے سمجھنے غور و فکر کرنے کی روایت جو مومن کی شان بھی ہے اور صفت بھی یکسر مفقود ہو گئی اور کروڑوں افراد کی یہ ملت اپنی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ میں سوائے چند مصلحین، مجددین، اور محدثین کے جن کو اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے خاص طور سے پیدا کیا کسی کو پیدا نہ کر سکی۔

ہندوستان میں ایک ہزار سال تک مسلم بادشاہوں نے حکومت کی جس میں اچھے بھی رہے اور برے بھی۔ انھوں نے ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں حصہ بھی لیا اور اسے حتی المقدور بنایا اور سنوارا بھی۔ لیکن افسوس کہ انھوں نے اسلام کی طرف توجہ نہ دی اگر توجہ دیتے تو ہندی مسلمان بادشاہوں کی تاریخ لال قلعہ، تاج محل، قطب مینار اور پورے ہندوستان میں سیکڑوں ٹوٹے پھوٹے قلعوں اور محلات سے عبارت نہ ہوتی اور انھیں کے ساتھ گردش لیل و نہار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہوتی۔

اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اپنے ہی بادشاہوں کے ہاتھوں پوری ملت غلام بنی رہی اور اس کی تمام صلاحیتیں سکڑ اور سمٹ گئیں۔ اعلیٰ قیادت اور ذہین دماغ ابھر نہ سکے دنیادار اور دنیا پرست علماء، قانون داں، سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ اوپر سے نیچے تک چھائے رہے اور چاپلوس اور جاہ پسند لوگ پوری قوم کی نگرانی کرتے رہے۔ مفاد پرستوں کا ایک ایسا طبقہ ابھر کر سامنے آیا جس کی وفاداریاں صرف دولت اور منصب کے ساتھ تھیں۔ اس کو کوئی بھی زیادہ قیمت دے کر اور زیادہ بولی بول کر خرید سکتا تھا۔ جعفر اور صادق اسی گروپ کے نمائندے تھے۔ مجموعی طور سے پوری قوم مشلول، مضمحل اور بے کار اور پست ہمت ہو گئی تھی۔ بادشاہ

کے شراب و کباب، عیش و نشاط، رنگ رلیوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور جب حکومت کا خاتمہ ہوا تو بادشاہ کا یہ عالم تھا کہ وہ بھاگ بھی نہ سکتا تھا۔

مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ کچھ اچھے لوگ بھی تھے چند بادشاہ اچھے بھی تھے جن کی فکر اور سوچنے کا انداز صحیح تھا اور یہ لوگ اپنے طور پر کوشاں تھے۔ مگر ان کی حیثیت دال میں نمک کے برابر تھی پوری امت اور پوری ملت ایک الگ ہی رخ پر جا رہی تھی۔

انگریزوں نے ہمیں غلامی میں اور پختہ کر دیا اور ہمارے بال و پر کاٹ کر بلکہ نوچ نوچ کر پھینک دیے اور پھر وطن آزاد ہوا لیکن ہم غلام ہی رہے اور اس کے اثرات آج ۴۰ سال بیت جانے پر بھی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے بلکہ غلامی کی زنجیریں کچھ اور مضبوط ہی ہوتی جا رہی ہیں۔ پہلے ہماری لیڈر شپ جاہ پسند اور دنیا دار تھی مگر اب دیوالیہ ہے اس کے پاس اب اپنی کوئی چیز نہیں رہی وہ غیروں کے اشاروں پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار، اپنا قرآن، اسلام، اپنی قوم و ملت کو بیچنے کے لئے آمادہ، اب کچھ بھی نہیں اس کے پاس، وہ تو دوسروں کے پھینکے ہوئے ٹکڑوں پر اپنی زندگی کی گاڑی کھینچ رہی ہے۔ نہ فکر نہ فلسفہ، نہ عزم نہ ہمت نہ احساس

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

آپ محمد احمد بنام شاہ بانو کیس کو لے لیجئے۔ سپریم کورٹ کے ججوں نے نہ صرف تنگ نظری اور تعصب کا ثبوت دیا بلکہ اپنے اختیارات کا بیجا استعمال کرتے ہوئے تمام ملک کے لئے یکساں سول کوڈ بنانے کا مطالبہ بھی کیا۔ حکومت پہلے تو خاموش رہی مگر بعد میں اعلان کیا کہ تمام شہریوں کے لئے یکساں سول کوڈ بنانے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے اس لئے مسلمان مطمئن رہیں جب تک مسلمان خود نہ چاہیں اور مناسب وقت نہ آئے ایسا نہیں کیا جائے گا

سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ اور حکومت کا یہ ارشاد اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اور ان کو منہ چڑانا تھا۔ اسلام پر یہ صریح حملہ تھا جو عدالت عالیہ اور اقتدار اعلیٰ کی طرف سے اتنے واضح اور بھرپور انداز میں کیا گیا تھا۔ مسلمانان ہند اس پر تلملا اٹھے ان کا سکون غارت ہو گیا اور مختلف اندیشوں میں گرفتار ہو گئے دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام ہو گئی وہ اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر سڑکوں اور گلیوں میں نکل پڑے اور انھوں

نے حکومت سے علی الاعلان کہا کہ اگر تم اسلام کو مٹانا چاہتی ہو، اس کے قانون کو بدلنا چاہتی ہو تو پہلے ہمیں مٹاؤ اسلام نہیں تو ہم نہیں۔ ہم کو تو اپنا اسلام چاہئے۔ پرسنل لا چاہئے اور قرآن چاہئے۔ پوری امت انگاروں پر لوٹ رہی تھی اور یہ ہماری قوم کے لیڈر ان اپنے اپنے گھروں میں گرم گرم چائے کی چسکی چسکی چسکیاں لے رہے تھے اور آرام کی نیند سو رہے تھے اور کبھی کبھی اخبارات میں ایک دو بیان کہہ دیتے تھے تاکہ قوم کے لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ ہندوستان میں ابھی نہیں ایک دو بار وہ جیسے بھی ہے تاکہ قوم کو خود دکھایا جا سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ تعلقات کی دہائی کے علاوہ راجیو جی سے کچھ کہہ نہ سکے۔ پھر بیدار اور مضطرب قوم کو ان لیڈروں پر خود ہی رحم آیا اس نے چندہ کیا۔ کسی کو فرسٹ کلاس کا ٹکٹ دیا کسی کو ہوائی جہاز سے بلایا اور کسی کے لئے مرغ پکائے تو کسی کے لئے بریانی پھر انھوں نے اپنی جانباز کوششوں اور قربانیوں کا نعرہ قوم کو اس انداز سے سنایا کہ قوم جھوم جھوم اٹھی۔ یہ ہیں ہمارے لیڈر، ان پر کب تک بھروسہ کیا جائے اور کب تک ان پر تکیہ کیا جائے۔ یہ اپنے ہی خول میں بند، مرزدہ قیادت امام تیمیہ تو بن نہیں سکے گی، مولانا محمد علی جوہر، اور شوکت علی کا رول بھی مشکل ہے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان کے لئے علامہ اقبال کے الفاظ میں دعا کیا جائے

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ جس میں ہو ملت کی زندگی کا پیام

البتہ چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

عوام کے بغیر قیادت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے عوام ہوں گے ویسی ہی قیادت ہو گی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ قیادت صالح، جاں نثار، خدمت اسلام کی وفادار ہو تو آپ کو پہلے اندر یہ صفتیں پیدا کرنی ہوں گی

اگر آپ چاہتے ہیں کہ قیادت خود غرض، مفاد پرست، غیور اور جاہ و حشمت کی خوگر نہ ہو تو ایک بیدار، مخلص اور زندہ قوم کا ثبوت دینا ہوگا اور خدا اور رسول کی طرف لوٹنا ہوگا۔ قرآن، حدیث، سیرت رسولؐ اور سیرت صحابہؓ کے سرچشمے سے اپنی پیاس بجھانی ہوگی اور اپنا دامن تر کرنا ہوگا جتنی تیزی کے ساتھ، جتنی جلدی اور جتنی قوت کے ساتھ آپ اپنے دین کی طرف بڑھیں گے غلامی کے اثرات دور ہوں گے اور نیچے سے اوپر تک تبدیلی رونما ہوگی۔ اس کے بغیر نہ ہم بدل سکتے ہیں اور نہ ہماری قیادت۔ ورنہ ہم اب سے بہتر کی توقع کر سکتے ہیں۔

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

"میں ذرا وہاں چلا ہوں"

جہاد افغانستان پر نعیم صدیقی کی ایک خوبصورت نظم

میں ذرا وہاں چلا ہوں ______

جہاں کٹ کے گر رہے ہیں میرے پیارے پیارے بھائی
وہ جہاں ستم کشوں کی چھڑی جبر سے لڑائی
تہہ خاک سو رہے ہیں جہاں غزنوی سنائی

میں ذرا وہاں چلا ہوں
کبھی یاد کرتے رہنا!

میں ذرا وہاں چلا ہوں ______

جہاں گولے پھٹ رہے ہیں، جہاں جسم کٹ رہے ہیں
جہاں غازیوں کے ہاتھوں کئی ٹینک الٹ رہے ہیں
ابھی حملہ کش تھے دشمن، ابھی پیچھے ہٹ رہے ہیں

میں ذرا وہاں چلا ہوں
کبھی یاد کرتے رہنا!

میں ذرا وہاں چلا ہوں ______

جہاں شاخسار گل سے ہیں رواں لہو کے دھارے
رگ سنگ سے جہاں پر جھڑے پے بہ پے شرارے
جہاں برف میں سے اچھلیں، سحر و عشا انگارے

میں ذرا وہاں چلا ہوں
کبھی یاد کرتے رہنا!

میں ذرا وہاں چلا ہوں ______

جہاں ظلم کے مقابل بڑھے عشق کے سپاہی
چلے موت کے سفر پر رہ حریت کے راہی
وہ یقین بے محابا! وہ خودی کی بے پناہی

میں ذرا وہاں چلا ہوں
کبھی یاد کرتے رہنا!

میں ذرا وہاں چلا ہوں ______

جہاں بچے مر رہے ہیں، جہاں مائیں رو رہی ہیں
کریں آہ کیں سموم ہوائیں تو گھٹائیں رو رہی ہیں
جہاں جل گئیں مساجد، تو فضائیں رو رہی ہیں

میں ذرا وہاں چلا ہوں
کبھی یاد کرتے رہنا!

میں ذرا وہاں چلا ہوں ______

جہاں اشتراکیت کو لگے سال بھر سے چرکے
کبھی چھاؤنی کے اندر، کبھی بیچ رہ گذر کے
جہاں بار بار اٹھا ہے ایاغ فتح بھر کے

میں ذرا وہاں چلا ہوں
کبھی یاد کرتے رہنا!

میں ذرا وہاں چلا ہوں ______

جہاں زہر دار گیسیں ہیں تباہ کار ہستی!
کوئی کھیت ہے سلامت نہ بچی ہے کوئی بستی
جہاں پر مہیب بموں کی ہوئی آشکارا مستی

میں ذرا وہاں چلا ہوں
کبھی یاد کرتے رہنا!

میں ذرا وہاں چلا ہوں ______

میرے تن کا ذرہ ذرہ جہاں جا کے کام آئے
میری خواہش شہادت کوئی شعبدہ دکھائے
نہ بہانا اشک جب بھی میری نعش کوئی لائے

میں ذرا وہاں چلا ہوں
کبھی یاد کرتے رہنا!

میں ذرا وہاں چلا ہوں ______

میرا شوق میرے جذبے، کبھی یاد کرتے رہنا
بہ دعائے غائبانہ مجھے شاد کرتے رہنا
ہے جہاد صبر تم بھی، یہ جہاد کرتے رہنا

میں ذرا وہاں چلا ہوں
کبھی یاد کرتے رہنا!

غزل

شاکر تسلیم

صرف دل معصوم ہدف — ساری دنیا تیر بکف
ٹھہرے ہیں معیار شرف — شہر کے قاتل ایک طرف
بول رہے ہیں میری طرف — دیکھ تیری مٹھی کے خذف
دل آزاری ان کا چلن — دلداری ہے مجھ کو شغف
جام و سبو ان کی جانب — طوق و سلاسل میری طرف
کافی ہے اس دور میں بھی — میرے لئے آغوش صدف
پاس نہیں گر دولت دین — دولت دنیا بے مصرف
میں ہی سر فہرست وفا — اور میرا ہی نام حذف

خوب ہو تم بھی اے شاکر
لب پہ اذاں اور ہاتھ میں دف

حامد علی ساغر فاروقی

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا

"افغان مجاہدین کے تازہ ترین حالات جس میں بدر کے واقعات بھی ہیں اور احد کی چپقلشیں بھی جو ایمان کو گرمی عطا کرتے ہیں اور یقین میں پختگی لاتے ہیں ملت اسلامیہ کی انوکھی تاریخ جو بموں کی گڑگڑاہٹ طیاروں کی گھن گرج اور توپوں اور گولیوں کے سایہ میں تحریر کی جا رہی ہے۔ جس میں لاکھوں مجاہدین کے خون کی سرخی شامل ہے۔"

— حامد علی ساغر پیش کرتے ہیں

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن — نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

علامہ اقبال نے اپنے ان اشعار میں دور اول کے مسلمانوں کی تصویر کشی کی ہے اور مسلمانوں کو ایک نڈر، بیباک، بہادر قوم کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے مومن خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، جنگل، بیابان، صحرا اور ریگستان، دریا اور سمندر کبھی اس کے راستے میں حائل نہیں ہوتے۔ وہ حق کے پرچم کو لہراتا ہوا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرتا ہوا شہادت کی منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو زبان حال سے پکار اٹھتا ہے۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

اور آج افغانستان کے نڈر، بیباک، غیور و خوددار مجاہدین اس کی جیتی جاگتی تصویر پیش کر رہے ہیں وہ جس مومنانہ اور مجاہدانہ شان سے روس جیسی سپر طاقت سے آج ۱۰ سال سے لڑ رہے ہیں۔ اس نے دور اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی ہے۔ جنگ احد اور بدر کا کردار ایک بار پھر نگاہوں کے سامنے ہے۔ مجاہدین کے سرفروشانہ و والہانہ ولولوں کو گرما دیتے ہیں۔ روس جیسی طاقت و قوت سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے۔

کتنی حکومتیں ہیں جو اس کا نام سنکر لرز جاتی ہیں اور کتنی شہنشاہتیں ایسی ہیں جن کے خوف سے کانپ اٹھتی ہیں۔ روس کا ایک ادنیٰ آدمی بھی بڑی بڑی طاقتوں کو آنکھیں دکھاتا ہے اور وہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں لیکن بے سر و سامان افغانیوں نے جس طرح روس کو گھیر رکھا ہے وہ بھی کمال کا گروہ ہے۔ وہ خدا پر ایمان اور بے پناہ قوم دشمن ہے جس نے سپر طاقت کو ناکوں چنے چبوا دیے ہیں۔

"تقریباً پونے دو کروڑ آبادی کا اسلامی ملک افغانستان جو اپنی حریت پسندی اور استعمار دشمنی کے لیے برصغیر کی سو سالہ تاریخ ہی سے نہیں، انگریزی امپیریلزم سے بھی تحسین حاصل کر چکا ہے جو چنگیز خان، محمود غزنوی، بابر، سوری اور ایبک جیسے فاتحین کی تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے ان دنوں روسی استعمار، جارحیت اور ظلم و ستم کا شکار ہے۔ افغانستان میں روسی اثر و نفوذ ان دنوں زیادہ بڑھا جب جولائی ۱۹۷۳ء میں سردار داؤد نے شہنشاہیت کا خاتمہ کر کے اور ظاہر شاہ کو معزول کر کے خود حکومت سنبھال لی۔

سردار داؤد نے اپنے پونے پانچ سالہ دور حکومت میں جب روسیوں کے بڑھتے ہوئے اثرات کے منفی پہلوؤں کا احساس کیا اور اپنی غیر جانبدار حیثیت برقرار رکھنے کی کوشش کی تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ افغانستان کو روس نواز کمیونسٹوں نے فوج کی مدد سے بغاوت کر کے انہیں الٹ دیا۔ اپریل ۱۹۷۸ء کی آخری تاریخوں میں سردار داؤد کابل کے قصر صدارت میں ہی باغی فوجیوں کے خلاف لڑتے ہوئے اپنے ساتھیوں اور اہل خانہ کے ہمراہ مارے گئے۔ کمیونسٹ انقلاب جسے افغانستان میں انقلاب ثور کہا جاتا ہے نور محمد ترہ کئی کو برسر اقتدار لے آیا۔

نور محمد ترہ کئی نے جو ۱۹۵۳ء میں وزارت خارجہ کی ملازمت سے برطرف کر دیے گئے تھے اور جنہوں نے ۱۹۶۵ء میں کمیونسٹ پارٹی "خلق" کی بنیاد رکھی تھی انقلاب کے بعد انقلابی کونسل کے چیئرمین کے علاوہ ببرک کارمل وائس چیئرمین اور حفیظ اللہ امین وزیر خارجہ۔ کمیونسٹوں کا ایک دھڑا "پرچم" کے نام سے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۳ء تک کے درمیانی عرصہ میں علیحدہ کام کرتا رہا۔ اس دھڑے نے "خلق" کے مقابلے میں ابتدا میں سردار داؤد کی حمایت کی کیونکہ سردار داؤد نے اپنے کو مستحکم کرنے کے لئے کمیونسٹوں کو کھلی چھٹی دے دی تھی مگر جب سردار داؤد نے خود کو کمیونسٹ تسلط سے نکالنا چاہا تو "پرچم" پارٹی بھی مخالف ہو گئی ۱۹۷۸ء کا انقلاب ان دونوں دھڑوں کی مشترکہ کوشش کا نتیجہ تھا ترہ کئی کی موت نے انہیں پھر تقسیم کر دیا۔

افغانستان میں مسلم امت کی آزادی کو بچانے اور کمیونسٹ غلامی کو رد کرنے کے لئے علماء کے

مختلف گروہوں اور اصلاحی انتظامیات کے علمبرداروں نے جدوجہد کا آغاز سردار داؤد کے ابتدائی زمانہ ہی میں کر دیا تھا مگر اس جدوجہد نے انقلاب ثور کے بعد جہاد کی شکل اختیار کر لی اور افغانستان کے تمام علماء نے امت پر جہاد لازم قرار دے دیا گویا افغان قوم کی کمیونسٹ غلبہ کے خلاف جدوجہد کو تقریباً ۱۵ برس اور کمیونسٹ جارحیت کے خلاف جہاد کو ساڑھے سات سال ہو رہے ہیں۔

کمیونسٹ انقلاب اپنی روایت کے مطابق معصوم عوام کا ہی نہیں اپنے بانیوں کا بھی دشمن ثابت ہوا۔ نور محمد ترہ کی قتل ہوئے، پھر حفیظ اللہ امین کو موت عبرت کا سامان دے گئی اور اب ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء سے ببرک کارمل براہ راست روسیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہیں۔

روس افغانستان میں اپنی درندگی اور بہیمیت کو چھپانے کے لئے پروپیگنڈے سے بھرپور کام لے رہا ہے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اس کے ایجنٹ اور کے۔جی۔بی کے کارندے اس مہم میں بھرپور ہاتھ بٹا رہے ہیں اور پوری شدت سے تمام دنیا کو یہ باور کرانے میں مصروف ہیں۔

(۱) یہ جنگ افغان اور روس کی نہیں ہے بلکہ امریکہ اور روس کی ہے۔

(۲) مہاجرین کے بارے میں مقامی لوگوں کو بدگمان کرنا اور ان کے لئے نفرت کے جذبات پیدا کرنا، ان کو چور، ڈاکو، اسمگلر اور اخلاق باختہ قرار دینا اور دنیا والوں کی ہمدردی سے محروم کرنا۔

(۳) روس کے مظالم کی پردہ پوشی کرنا اور یہ غلط تاثر دینا کہ عملاً وہاں جنگ ختم ہو چکی ہے اور یہ باور کرانا کہ افغانستان پر روس کا موثر کنٹرول ہے حالانکہ حالات اس کے برعکس ہیں۔

(۴) کابل حکومت کو تسلیم کرنے کی بھرپور بین الاقوامی مہم تاکہ اس طرح روس کے ناجائز قبضہ اور اس کی کھلی جارحیت کو جواز مہیا ہو سکے۔ اور مجاہدین پوری دنیا کی مدد، حمایت اور توجہ سے محروم ہو جائیں۔

ان چار نکات کو افغانستان میں روس کی خارجہ پالیسی بھی قرار دیا جا سکتا ہے ایسے ہی افغانستان میں روس کی داخلی پالیسی کے بنیادی نکات سات ہیں۔

۱۔ معیشت کی تباہی۔ روس افغانستان کی زرعی معیشت کو تیزی سے تباہ کر رہا ہے تاکہ ایک طرف یہاں کے عوام مکمل طور پر اس کے دست نگر ہو جائیں اور دوسری طرف مجاہدین کو مقامی ذرائع سے کوئی مدد نہ مل سکے۔ اس مقصد کے لئے کھیتوں، کھلیانوں، آٹا پیسنے کی چکیوں، باغات، ذخیرہ غلے کے گوداموں اور مویشیوں کو مسلسل بمباری کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

اپریل ۱۹۸۴ء سے مارچ ۱۹۸۵ء تک صرف ایک سال کے دوران روس نے ۱۸ گاؤں، ۲۰۰۰ مکانات، ۱۸ مساجد، ۱۵۰۰۰ مویشی، ۲۰۰۰ من غلے کے گودام، کئی سو ایکڑ کھڑی فصلیں، متعدد ٹریکٹر اور گاڑیاں تباہ کیں۔

(۲) ذرائع مواصلات کی تباہی۔ روس کا دوسرا ہدف ذرائع مواصلات کی تباہی ہے۔ مجاہدین کے قبضہ میں افغانستان کا جو ۹۰ فیصد علاقہ ہے وہ زیادہ تر پہاڑی اور دیہی آبادیوں پر مشتمل ہے جہاں مواصلات کا واحد ذریعہ باربرداری کے جانور ہیں وہ اسلحہ، غلہ اور دیگر ضروریات کی نقل و حمل کے لئے اونٹ، خچر اور گدھے استعمال کرتے ہیں۔ روسی طیارے ان جانوروں کے تعاقب میں رہتے ہیں۔ خصوصاً گن شپ طیاروں نے انہیں چن چن کر نشانہ بنایا ہے۔

(۳) آبادی کا انخلاء۔ روس افغانستان کے لوگوں اور بالخصوص سرحدوں پر واقع پہاڑی علاقوں کے باشندوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ملک سے باہر نکالنا چاہتا ہے تاکہ وہاں مزاحمت کمزور ہو۔ اس مقصد کے لئے روسی طیارے دن رات پہاڑی علاقوں اور بستیوں پر بمباری کرتے رہتے ہیں تاکہ مزاحمت کمزور ہو اور وہ ترک وطن پر مجبور ہوں۔

(۴) رسد کا انقطاع اور انسداد۔ روس کی ایک پالیسی یہ بھی ہے اس کے زیر کنٹرول شہری علاقوں سے کوئی چیز مجاہدین کے علاقوں میں نہ جانے پائے۔ خصوصاً غلہ، کپڑا، ادویات، پٹرول، ڈیزل وغیرہ۔

(۵) تعلیمی نظام کی تبدیلی۔ روس نے ملک کا نظام تعلیم یکسر تبدیل کر دیا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ جلد از جلد نئی نسل اس کے اشتراکی فلسفے کو قبول کر کے اس کی معاون بن جائے۔ یہ وہی طریقہ ہے جو برطانیہ، فرانس، ہالینڈ اور دیگر یورپی ممالک اپنی اپنی آبادیوں میں آزما چکے ہیں۔ کابل یونیورسٹی اور اس سے ملحقہ کالجوں اور اسکولوں میں کارل مارکس، لینن اور انجلز کے افکار و نظریات کی تعلیم دی جاتی ہے۔

(۶) روس میں افغان طلبہ کی تعلیم و تربیت۔ داخلی نظام تعلیم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس بات پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ افغان طلبہ کو روس بھیجا جائے اور وہیں تربیت کی جائے اس مقصد کے لئے اب تک ۳۰ ہزار طلبہ کو روس بھیجا جا چکا ہے۔

(۷) روس کے داخلی حکمت عملی کا ایک اہم حصہ معاشرتی نظام کی تبدیلی ہے۔ مخلوط تعلیم، بے پردگی، مخلوط ناچ اور اس طرح کی دوسری تقریبات کے ذریعہ مقامی آبادی کو مغربی رنگ میں رنگنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔

اس حکمت عملی کے نتائج خاطر خواہ حاصل نہیں ہو رہے ہیں کیونکہ افغان روس کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ اور ان کے عزائم کو جان چکے ہیں۔ اور انشاء اللہ اب روس کامیاب بھی نہیں ہوگا۔

آج کے افغانستان میں دو سو سے زائد محاذوں پر دس لاکھ سے زائد مجاہدین سپر پاور کے خلاف اس طرح برسرپیکار ہیں کہ ہر آنے والا دن استقامت اور حوصلے کے ساتھ طلوع ہوتا ہے افغانستان کی آبادی کی تقسیم کچھ یوں ہے کہ دس لاکھ زیر جنگ مجاہدین کے ساتھ تقریباً ۵۰ لاکھ مہاجرین کی دعائیں اور ہمدردیاں شامل ہیں۔ جنھوں نے اپنا گھر بار کاروبار، کھیتی باڑی چھوڑ کر پاکستان ایران اور دنیا کے دوسرے ممالک میں پناہ لی ہوئی ہے تقریباً ۱۰ لاکھ شہری اور مجاہدین شہادت کا رتبہ پا چکے ہیں اور باقی ماندہ ایک کروڑ آبادی میں سے سوائے کمیونسٹوں کے کوئی ایسا نہیں ہے جو مجاہدین کی کامیابی کے لئے دن نہ گن رہا ہو۔ اب افغانستان میں چند ہزار کمیونسٹوں کی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے روسی فوج اور اس کی بندوقیں، توپیں، ٹینک، جیٹ طیارے بارودی سرنگیں، نیپام بم اور راکٹ ہی اصل سہارا ہیں۔

دوسری طرف مجاہدین کا سہارا اللہ کی نصرت ہے جس کے طفیل انھوں نے گزشتہ چھ سات سال کے دوران تقریباً ۵۰ ہزار روسی سپاہیوں اور ۵۰ ہزار سے زیادہ افغان سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ پانچ سو سے زیادہ جیٹ طیارے اور گن شپ ہیلی کاپٹر گرائے جا چکے ہیں اور تقریباً چھ ہزار ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں تباہ کی جا چکی ہیں۔

بین الاقوامی ذرائع ابلاغ ۳۰ ہزار روسی سپاہیوں کی ہلاکت کا اعتراف کرتے ہیں، مگر تعداد یقینی طور پر ۴۰ اور ۵۰ ہزار کے درمیان ہے اس کی تصدیق دوسرے ذرائع سے بھی ہوتی ہے کہ ببرک کارمل کے آنے کے بعد کابل کے نواح میں ایک بڑا کارخانہ لگایا ہے، جہاں ڈیڑھ سو افراد ملازم ہیں جو روزانہ ۵۰ تابوت تیار کرتے ہیں۔ اگر ۱۹۸۰ سے جنگ کے ۵ سال کا حساب کیا جائے تو یہاں تقریباً ڈیڑھ لاکھ تابوت تیار ہو چکے ہیں۔ یہ تابوت روسی فوجیوں کی لاشیں روس لے جانے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

افغانستان کی بستیوں کو اجاڑنے والے، کھیتوں اور سرسبز باغات کو جلانے والے، بموں اور راکٹوں سے زمین کو جھلس دینے والے، معصوم بچوں اور بوڑھوں کو خون میں نہلانے والے اپنی تمام تر حربی قوت کے ساتھ جگہ جگہ محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ آج مجاہدین سے خوف کا یہ عالم ہے کہ کابل کے ارد گرد حصار قائم کئے گئے ہیں اور اندر آنے جانے والے کی سخت جامہ تلاشی لی جاتی ہے مجاہدین کے حوصلے بلند ہیں اور روسی اپنے

بازاروں سے نکلتے ہوئے خوف کھاتے ہیں رات کی تاریکی کے ساتھ ہی کابل پر بھوت کی طرح سناٹا چھا جاتا ہے۔ تاریخ میں روس کو اپنی غاصبانہ جارحیت کی ایسی پر عزیمت مزاحمت آج تک کہیں نہیں ملی جیسی مزاحمت اسے افغانستان میں ملی ہے۔ پورا مشرقی یورپ اپنی تمام تر طاقت اور وسائل کے باوجود بہت کم عرصے میں روسی یلغار کے مقابلے میں ڈھیر ہو گیا تھا۔ ہنگری، چیکوسلواکیہ، بلغاریہ، پولینڈ کہیں بھی تحریک مزاحمت افغانستان کی تحریک مزاحمت کے مقابلے میں زیادہ باوسائل ہونے کے باوجود چند مہینوں سے زیادہ نہ ہو سکی۔ افغانستان روسی توسیع پسندی کی بھیانک تاریخ کی واحد روشن مثال ہے کہ جہاں جہاد کے جذبے نے بے سروسامانی کے باوجود افغانوں کو ناقابل تسخیر چٹان کی طرح روسی یلغار کے مقابلے میں سد راہ بنا رکھا ہے

افغانوں کی اس پر عزیمت تاریخ کے پیش نظر جو انھوں نے گزشتہ ۷ سال میں بنائی ہے یہ سوچنا مبالغہ آرائی محسوس نہیں ہوتی کہ سپر طاقت کی حیثیت سے روس کا نقطۂ زوال خطۂ افغانستان کی جنگ آزادی کا سبب بنے گا اور روس گویا ابد الآباد تک سپر طاقت نہیں رہتا ہے۔ ہر سپر طاقت کا مقدر کوئی نہ کوئی "چھوٹی قوت" ہی ہوتی ہے۔ روس افغانستان میں کیوں آیا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب سینکڑوں مفکرین نے ہزاروں صفحات میں دیا ہے اس سے اتفاق کیا جا سکتا ہے لیکن روس کی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ایک عجیب پہلو ہمارے سامنے آتا ہے۔ اسلام پہلی صدی ہجری میں ہی جزیرۃ العرب سے نکل کر ایران، عراق، شام، مصر، اور روس کے جنوبی علاقوں میں پھیل چکا تھا اور یہ شدید جنگوں کے بعد مسلمانوں کے ایمانی، اخلاقی اور روحانی قوت کا نتیجہ تھا۔ مسلمان جب تک طاقتور رہے ان کا اقتدار ان علاقوں پر چھایا رہا مگر جیسے جیسے ان کی ایمانی اور روحانی طاقتیں کمزور ہوتی گئیں ان کا اقتدار بھی سمٹتا گیا۔ زار روس جو مسلمانوں کے ازلی دشمن تھے انھوں نے اسلامی قوتوں کو زک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا اور مغرب میں نشاۃ ثانیہ کے بعد اور ۱۹۱۷ء میں کمیونزم انقلاب کے بعد یہ دونوں قوتیں متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف میدان میں آ گئیں، کبھی تو مکر و فریب سے مسلمانوں کو زک دی اور کبھی طاقت اور قوت کے ذریعہ اقلیت میں ہونے پر مجبور کیا۔ چنانچہ سولہویں صدی سے لیکر انیسویں صدی تک روس کی جو پالیسی رہی اس پر زنکووسکی [illegible] کرتا ہے "روس [illegible] ترکی تہذیب و ثقافت کو بگاڑا وہ جھگڑے تھے جو زاروں کی حکومت نے مفتوحہ ترک علاقوں میں اختیار کئے۔"(۱)

PAN TURKISM AND ISLAM IN RUSSIA
(۱) روس میں مسلمان قومیں مطبوعہ لاہور

مذہب بیزار مادہ پرستانہ مغربی تہذیب اور کمیونزم دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں جو اسلام دشمنی میں برابر

کے تحریک وسکیم ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے انھوں نے اپنی انتہائی کوششیں کیں اور کر رہے ہیں۔ خلافت کو توڑا۔ ایک ایک حکومت کو الگ کیا۔ خرست کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور پھر اپنا غلام بنالیا لیکن مسلمان قوم اپنے ایمان اور مذہب کی وجہ سے بڑی سخت جان ثابت ہوئی وہ دب تو گئی مگر مٹ نہ سکی اور کسی نہ کسی طور پر اپنا تشخص برقرار رکھا اور آ بیسویں صدی کے وسط میں۔ ساتویں اور آٹھویں عشرے میں انکے اندر بیداری کی ایک لہر پیدا ہوئی اور وہ ایک نئے عزم حوصلے اور ہمت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسلم ممالک کے علاوہ غیر مسلم ممالک میں وہ مسلمان بھی بیدار ہوئے جو اقلیت میں تھے پھر ایران کے انقلاب نے ساری دنیا کو مجبور کر دیا اور اسلام کو ایک بار پھر سیاسی قوت اور سائنٹفک مذہب کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا جس سے اسلام دشمن قوتوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ انقلاب کی لہریں روس کے مسلم مقبوضہ علاقوں میں بھی محسوس کی گئیں اور روسی قیادت ایک بار پھر کھل کر میدان میں آگئی۔ ایران اور پاکستان کا راستہ بند کرنے، انکو توڑنے اور انقلاب کو ناکام بنانے کے لئے افغانستان جو اسکا حلیف بھی تھا اور پڑوسی بھی پر دھاوا بولدیا اور وہاں کی ہر چیز پر شب خون مارنے لگے۔

آج روس کو افغانستان میں ۶ سال ہو رہے ہیں۔ انکے لیڈر بدلتے رہے، وہ ظلم کو بڑھاتے رہے مگر انکی پالیسیوں کے اندر کوئی فرق نہ آیا۔ انکے طیارے نہتے افغانیوں پر بم برساتے رہے، زہریلی گیس چھوڑتے رہے۔ انکی بستیوں کو تاخت و تاراج کرتے رہے اور انکو بے سہارا اور بے گھر کر کے دوسرے ممالک میں پناہ لینے پر مجبور کرتے رہے۔ مگر ان روسیوں کو کیا معلوم تھا کہ وہ کس ملک پر حملہ کر رہے ہیں؟ کس قوم کو للکار رہے ہیں؟ آج افغانستان میں روس کی ایک لاکھ ۱۵ ہزار فوج ہے لیکن وہ ہیں، دل شکستہ، منشیات کی عادی، وہ جب اپنے گھروں سے نکلتے ہیں تو دل لرزاں ہوتے ہیں اور انکی ہمتیں ٹوٹ چکی ہوتی ہیں وہ مجاہدین کا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں، اگر مقابلہ کرتے ہیں تو اس صورت میں جبکہ انکے پاس ٹینک ہوں، توپ ہوں، گن شپ ہیلی کاپٹر ہوں یا جیٹ طیارے بمباری کر رہے ہوں۔

تازہ ترین رپورٹوں اور خبروں کے مطابق ماہ جولائی ۱۹۸۵ء میں افغانستان کے ۲۹ صوبوں میں سے [illegible] صوبوں میں شدید جنگوں کی اطلاعات ملی ہیں۔ مجاہدین کے ذرائع اطلاعات کے مطابق پورے افغانستان میں مجاہدین کے حملے کی تعداد ۱۵۰ تھی، جبکہ افغانستان کے ۱۵ صوبوں میں [illegible] روسیوں نے انقلاب دشمنوں کے خلاف کئے۔ اس ماہ مجاہدین نے کابل ایئر پورٹ پر روسیوں سے چھینے ہوئے [illegible] راکٹوں کی مدد سے حملہ کیا اور کئی افراد کو ہلاک کر دیا۔ گذشتہ ماہ سے [illegible] صوبوں کی صوبائی [illegible] مجاہدین کے محاصرے میں ہیں جو انتہائی کامیابی سے جاری ہے پنجشیر میں مجاہدین نے ایک حملے کے نتیجے میں روسی کارمل فوجیوں کی خاصی بڑی تعداد قیدی بنائی تھی۔ مجاہدین

نے اپنے کچھ ساتھیوں کی رہائی کے لئے روسیوں کو قیدیوں کے تبادلے کی پیشکش کی چنانچہ ۱۶ رجون کو تبادلے کا پروگرام طے ہو گیا، اور اسکے لئے ۲۰ جولائی کی تاریخ مقرر ہوئی۔ مجاہدین اس سلسلے میں پوری طرح مطمئن تھے چنانچہ جب مجاہدین قیدیوں سمیت مقررہ جگہ پہنچے تو روسیوں نے ہیلی کاپٹروں اور طیاروں کی مدد سے اچانک حملہ کر دیا۔ مجاہدین کا نقصان تو نہیں ہوا البتہ ۱۳ قیدی ہلاک اور باقی شدید زخمی ہو گئے۔

دوسری طرف پکتیا کے انتہائی اہم سرحدی شہر خوست کا محاصرہ جو مجاہدین نے گذشتہ کئی سال سے کامیابی سے جاری رکھا ہوا ہے مزید سخت کر دیا ہے۔ پکتیا کے کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی ہیں یہ نڈر بیباک زیرک اور عالم دین بہادر کمانڈر ہیں جنکا نام سنکر روسیوں کو پسینہ آجاتا ہے۔ یہاں گذشتہ دو مہینوں سے گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے

شہر خوست پاکستانی سرحد کے قریب ہے اور پانچ سال سے مجاہدین کے محاصرے میں ہے۔ مجاہدین نے اس شہر کی مکمل ناکہ بندی کر دی ہے۔ اور سپلائی کے تمام راستے مجاہدین کے کنٹرول میں ہیں۔ مجاہدین کا محاصرہ توڑنے کے لئے اور انکے سپلائی کے راستے بند کرنے کے لئے روسی کارمل فوجوں نے تین مختلف وقتوں میں تین بڑے حملے کئے۔ ان میں روسی فوج نے بہت جدید قسم کے ہتھیار استعمال کئے ہیں جس میں دور مار میزائل، جدید قسم کے جیٹ ایس یو ۲۵، اور ٹی یو ۱۶ کا زبردست استعمال کیا جا رہا ہے اس کا اڈا [illegible] کے ذریعے کنٹرول کیا جا رہا ہے اور ماسکو سے براہ راست ہدایتیں مل رہی ہیں اس میں ۱۰ ہزار سے ۳۰ ہزار تک روسی کارمل فوجی استعمال کئے گئے۔

یہ حملہ عید الاضحی کے دن شروع ہوا، اور اب تک کے تمام حملوں سے زیادہ شدید تھا۔ پکتیا کے علاقہ [illegible] خوست شہر کے محاصرہ کو توڑنے کے لئے روسیوں نے زبردست بمباری کی۔ بے تحاشہ توپیں اور گن شپ ہیلی کاپٹر استعمال کئے اور ہزاروں آدمی جنگ میں جھونک دیئے مگر کامیاب نہ ہو سکے مجاہدین نے حکمت عملی بدل کر زبردست مقابلہ کیا اور بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ ایک اندازے کے مطابق دو ہزار روسی اور کارمل فوجی مارے گئے، ۵۰۰ گرفتار ہوئے اور ۵۰ ٹینک تباہ ہوئے۔

اس سے قبل روسیوں نے پکتیا پر جتنے بھی حملے کئے ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ اپنے فوجی کانوائے جو ٹینکوں، آرمرڈ پرسنل اور ٹرکوں وغیرہ پر مشتمل ہوتا اور جنگی طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کے زیر سایہ مختلف علاقوں میں بھیجا جاتا۔ جب وہ مجاہدین کے علاقہ کے قریب پہنچتے تو مجاہدین اپنے چھوٹے اور درمیانی رینج کے ہتھیاروں کی مدد سے انکو آگے بڑھنے سے روک دیتے۔

مجاہدین کی کوشش یہ ہوتی کہ وہ دشمن کے زیادہ سے زیادہ قریب ہو کر جنگ کریں تاکہ ایک تو ان کے ہتھیاروں کی زد میں دشمن آجائے اور دوسرے یہ کہ وہ طیاروں اور دور مار توپوں کی گولہ باری سے بھی بچے رہیں۔ پھر یہ کہ دشمن کے ٹینک، آرمرڈ پرسنل اور ٹرک وغیرہ ان کے لئے خاصا اچھا ہدف ثابت ہوتے تھے جن پر وہ باسانی اپنے راکٹ لانچروں، مشین گنوں اور مارٹر توپوں کے فائر کی بدولت بڑی کامیابی حاصل کر لیتے۔

اس بار ایک نئی تبدیلی یہ آئی کہ دشمن نے اپنے کانوائے کو روانہ کرنے سے پہلے ہی دور مار توپوں، طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کی مدد سے گولہ باری اور بمباری کا ایک قیامت خیز سلسلہ شروع کر دیا۔ بمباری اس قدر شدید اور اتنی مسلسل ہوئی کہ اس سے قبل اس کی مثال نہیں ملتی تاکہ مجاہدین باہر نہ نکل سکیں اور اس کی آڑ میں یہ اپنی کانوائے کو ان کے ٹھکانوں سے بہت قریب کر دیتے۔

لیکن تمام چالوں اور حکمت عملیوں کے باوجود مجاہدین آج بھی خوست شہر کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ اور روسی اسے توڑنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔ البتہ مجاہدین کے دو بڑے کمانڈر احمد گل اور فتح اللہ شہید ہو گئے۔ تقریباً ۲۵ مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا اور کم و بیش اتنے ہی زخمی ہوئے۔

آئیے اب آپ کو براہ راست مجاہدین کے درمیان لے چلیں۔ اور ان سے گفتگو کرائیں اور ان کا نقطہ نظر پیش کریں۔ یہ ہیں جمعیت اسلامی افغانستان کے صدر پروفیسر برہان الدین ربانی۔ آپ افغانستان کی سب سے بڑی تنظیم کے سربراہ ہیں آپ امپیکٹ انٹرنیشنل لندن کے اس سوال کا جواب دیتے ہیں۔

س۔ مجاہدین کے اتحاد کی موجودہ صورت حال کیا ہے؟

ج۔ کوئی دو ماہ قبل تمام تنظیموں نے فوجی اور سیاسی سطح پر مشترکہ منصوبہ بندی اور باہمی تعاون کا اظہار کیا ہے۔ ۱۲۰ ارکان پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ ہے۔ جس کے تحت سیاسی، ثقافتی، الاعلامی اور مہاجرین کی کمیٹیاں کام کر رہی ہیں۔ مجلس شوریٰ کا دائرہ کار سب سے وسیع ہے۔ اس نظام کی وحدت و مسائل کو حل کرنے سے متعلق کام کئے جا رہے ہیں۔ جیسے نتائج واضح ہیں۔ ہمارے درمیان معتبر ترین شخصیت یونس خالص کی ہے۔ جنہیں ترجمان مقرر کیا گیا ہے جو موجودہ انتظام کے تحت ہر تنظیم کی اندرونی خود مختاری کو برقرار رکھتے ہوئے کلی اتحاد قائم ہے۔ آئندہ مزید مستحکم اتحاد کی جانب پیش رفت کا امکان ہے۔ جس میں ایران کے افغان محاذ بھی شامل ہوں گے۔

س۔ کیا آپ کے درمیان نظریاتی مسائل بھی حل ہو چکے ہیں؟

ج۔ ابھی تک ہمارے درمیان صرف ظاہر شاہ کے بارے میں اختلافات تھے مگر اب اس مسئلہ پر کوئی اختلاف باقی نہیں رہا۔

س۔ جنیوا مذاکرات اور پاکستانی رول کے بارے میں بھی کچھ آپ نے فرمایا (دوبارہ)

ج۔ ہماری پالیسی بالکل واضح ہے روسی تسلط کے خلاف جہاد اس وقت تک جاری رہے گا جب تک افغانستان ایک آزاد اور خود مختار ملک نہیں بن جاتا۔ دس لاکھ سے زیادہ شہیدوں اور زخمیوں کی قربانی دینے کے بعد افغانوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایک غیر ملکی اور غیر اسلامی نظام اور غلامی کے تحت زندگی گزارنے کے لئے اپنے گھروں میں واپس چلے جائیں گے۔ ہم نے پاکستان یا کسی دوسرے ملک سے اجازت لیکر جہاد شروع نہیں کیا تھا۔

س۔ کریملن کے نئے حکمران گورباچوف کو افغانستان کے مسئلہ پر سنجیدہ خیال کیا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں یہ خیال عام ہے کہ وہ کشمکش کو بڑھانے سے گریز نہیں کریں گے۔ بلکہ پاکستان کو ایک ... کی کوشش کریں گے۔ ان کے ارادوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج۔ ہمارے خیال میں برزنیف سے لیکر آندروپوف اور چرنینکو تک روس کے سبھی حکمران "مرد آہن" رہے ہیں ان میں سے کسی نے بھی افغانستان پر اقدام کے لئے کسی قسم کی اخلاقی یا سیاسی رکاوٹ محسوس نہیں کی۔ افغانستان میں وہ جس جرم کا بھی ارتکاب کر سکتے تھے کیا۔ گورباچوف نے بھی فوجی دباؤ میں اضافہ کیا اور پاکستان کے اندر مہاجرین کے کیمپوں پر بمباری کی کوشش کی۔ اور اپنا حملہ پاکستانی سرحدوں کے قریب پہنچایا۔ روسیوں نے افغانوں کے خلاف ہر قسم کے ظلم و تشدد کا ارتکاب کیا لیکن اس کے نتیجے میں وہ پہلے سے زیادہ غیر محفوظ ہو گئے۔ آج روسی اپنے ٹھکانوں میں خود کو محفوظ نہیں تصور کرتے۔ حتیٰ کہ فضائی حملے بھی ان کے بہت سے طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کی تباہی کے بعد اب اپنے فضائی دستوں کے تحفظ سے بے بس ہیں۔ روسی گن شپ ہیلی کاپٹروں کے پائلٹوں اور عملے کے دیگر افراد کے حالیہ فرار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی افواج کی جارحیت پر اعتراض کرتے ہیں جسے شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔

علاقہ پنجشیر پر اپنے تازہ ترین حملے میں مجاہدین نے روسیوں کو شدید نقصان پہنچایا جنہوں نے روسیوں کا محاصرہ توڑ کر کابل فوج کے ۵۰۰ افسروں اور ۱۰۰۰ سپاہیوں کو گرفتار کیا جن میں ایک جنرل، ایک کرنل تھا۔ ایک میجر جنرل اور دو بریگیڈیئر شامل تھے۔ اس علاقہ میں روس کے ایک سو فوجی ہلاک ہوئے۔ یہ کارروائی ماہ رمضان (جون) کو ہوئی تھی اسی طرح ہرات اور قندھار میں بھی کامیاب کارروائی کی گئی۔ شرکت جنگ کا مقصد یہ بھی تھا کہ ... سرگرمیوں اور ساز و سامان کا اندازہ ہو جائے گا۔

یہ ہیں صوبہ پکتیا کے مشہور کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی جو روسیوں کے لئے خوف کی علامت بن گئے ہیں ان سے برادرم صلاح الدین گفتگو کرتے ہیں۔

س۔ آپکا مقابلہ ایک نہایت سفاک سپر پاور سے ہے آپ یہ جنگ بے سر و سامانی کی حالت میں لڑ رہے ہیں اور کوئی بیرونی طاقت آپکے ساتھ نہیں پھر آپکی کامیابی کے کیا امکانات ہیں؟

ج ۔ حاجی صاحب! (محمد صلاح الدین) کیا تاریخ میں ایک لمحہ کیلئے کوئی ایسا دور گذرا ہے جس میں کوئی نہ کوئی سپر پاور موجود نہ رہی ہو؟ جب حضرت ابراہیم شداد کے مقابلے میں تنہا کھڑے تھے تو وہ اپنے دور کی قوتوں کے لحاظ سے سپر پاور تھا۔ جب حضرت موسیٰ اپنے ناکافی لباس اور نحیف جسم کے ساتھ تن تنہا فرعون کے دربار میں آواز حق بلند کر رہے تھے تو وہ اس کے عظیم گھڑ سوار لشکر، سرداروں اور جاگیرداروں کی فوج ظفر موج، تخت و تاج اور شان و شوکت کے لحاظ سے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں ایک ہیبت ناک سپر پاور تھا۔ جب حضور اکرمؐ نے سرداران قریش کے سامنے کلمہ حق بلند کیا تو یہ جنگجو سرداران دولت اور اسباب حرب کے لحاظ سے اس اکیلے شخص کے مقابلے میں سپر پاور تھے۔ جب بدر کا معرکہ ہوا تو ۳۱۳ بے سرو سامان بندگان خدا کے مقابل ان کے دور کی سپر پاور صف آرا تھی۔ جب خلافت راشدہ میں قیصر و کسریٰ کے خلاف مجاہدین کے دستے روانہ کئے گئے تو یہ دونوں قوتیں ہر لحاظ سے ان کیلئے سپر پاور تھیں، ماضی قریب میں جس برطانیہ کی سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا وہ اپنے نوآبادیات کے نہتے غلاموں کے مقابلے میں سپر پاور تھا فرانس مجاہدین الجزائر کے مقابلے میں، ولندیزی، انڈونیشیا کے مسلمانوں کے مقابلے میں اور امریکہ ایرانیوں کے مقابلے میں سپر پاور تھے مگر تاریخ کا فیصلہ کیا ہے؟ فاتح کون ہے اور مفتوح کون؟ شداد، فرعون، برادران قریش، قیصر و کسریٰ، برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، امریکہ آخر کون سی سپر طاقت ہے جو ہزیمت سے دوچار نہ ہوئی ہو۔ تاریخ کا لگا بندھا اصول کیا روس کے مقابلے میں بدل جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں، حق کے سامنے جھکنا اور اس کے ہاتھوں شکست کھانا ہر باطل کا مقدر ہے خواہ وہ بظاہر کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو؟ قوت، اسلحہ و اسباب کی فراوانی کا نہیں حق کا نام ہے اور باطل تو آیا ہی مٹنے کے لئے "ان الباطل کان زھوقا" ہر سپر پاور کا زوال کسی چھوٹی سی قوت کے ہاتھوں ہوا ہے انشاء اللہ روس کی شکست اور اس کے زوال کی ابتدا ہمارے ہاتھوں ہوگی۔ ہم چونکہ حق پر ہیں اس لئے فتح ہمارا مقدر ہے فطرت کے قوانین روسیوں کی خاطر بدل تو نہیں جائیں گے۔"

یہ ہیں اسماعیل خیل کے علاقہ کے تمام چوکیوں کے انچارج کمانڈر حاجی ابراہیم، یہ مولانا جلال الدین کے چھوٹے بھائی اور نہایت بہادر، جری، بیباک، اور تجربہ کار کمانڈر ہیں۔ انھوں نے درجنوں محاذوں پر روسیوں کو شکست دی ہے اور ہزاروں فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ محمد صلاح الدین سوال پوچھتے ہیں

س ۔ روس افغانستان میں کیوں آیا؟

ج ۔ افغانستان روس کی منزل نہیں گذرگاہ ہے وہ یہاں سے بحر ہند کے گرم پانی تک پہنچنا چاہتا ہے جہاں سے وہ ایک طرف مشرق وسطیٰ میں تیل کی دولت پر قبضہ کی راہ ہموار کرسکے۔ اور دوسری طرف بین الاقوامی تجارت کی آبی شاہراہیں اس کی گرفت میں آسکیں۔ اس کی نظریں پورے عالم اسلام پر لگی ہوئی ہیں۔ اور اس کا اگلا نشانہ پاکستان ہوگا۔ میرا گمان یہ ہے کہ روس بلوچستان کے راستے آگے بڑھے گا۔ جہاں شوشلسٹ تحریکیں کافی گہری جڑیں رکھتی ہیں۔ یہاں مزاحمت کا امکان کم ہے۔ داخلہ آسان ہے۔ اس طرف بڑھنے کے لئے روس ایران میں کسی بڑی تبدیلی کا منتظر ہے۔ تاکہ وہ ایرانی اور پاکستانی بلوچستان سے اپنا راستہ بنا سکے۔ روس جب کسی ملک کو غلام بنانے کا فیصلہ کرتا ہے تو پہلے وہاں شوشلسٹ تحریکوں کو آگے بڑھاتا ہے۔ اس کے نمک خوار پروپگنڈے کے محاذ پر گرم ہوتے ہیں۔ نت نئی تنظیمیں، فیڈریشن اور محاذ بناتے ہیں۔ اس کے استقبال کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں۔ انھیں اسلحہ اور سرمایہ مہیا کیا جاتا ہے یہ سرکاری مشینری اور سیاسی اداروں پر قبضہ جماتے ہیں اور جب ان کے ذریعہ فضا سازگار ہو جاتی ہے تو روس براہ راست مداخلت کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ افغانستان میں اس نے یہی کیا۔ پاکستان میں وہ اسی حکمت عملی پر کام کر رہا ہے۔ لیکن ہم انشاءاللہ افغانستان ہی میں اس کے پاؤں توڑ دیں گے اور اسے اٹھا کر اس کے ملک میں واپس پھینک دیں گے خدانخواستہ اگر ہماری دفاعی دیوار گر گئی تو پاکستان اور عالم اسلام کی خیر نہیں ہے۔ ہم صرف اپنی آزادی کے لئے نہیں پورے عالم اسلام کے تحفظ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ بدقسمتی سے عالم اسلام کو اسکا پورا احساس و شعور نہیں ہے۔ پکتیا کی جنگ خصوصیت سے پاکستان کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کوہ سلیمان کی بلند فصیلیں دفاع کا بہترین اور قدرتی نظام فراہم کرتی ہیں۔ جو قوت انھیں عبور کرے گی اسے پنجاب کے میدانوں میں زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں ہوگا۔"

یہ ہیں مولوی احمد گل شہید۔ جنھوں نے پکتیا کے محاذ پر شہادت پائی۔ آپ ایک عظیم مجاہد بھی تھے اور کمانڈر بھی، مولانا جلال الدین کے ہم جماعت اور سات جماعت کی متحدہ تنظیم کی مرکزی شوریٰ کے رکن۔ آپ فرماتے ہیں" روس کے مقبوضہ ترکستانی علاقوں میں بھی آزادی کی تحریک شروع ہو چکی ہے وہاں لٹریچر بھی پہنچ رہا ہے روس اس صورت حال سے بہت پریشان ہے اس افغانستان اور ترکستان

کے مسلمانوں کی غیرت وحمیت ان کی جرأت و شجاعت اور اسلام سے گہری وابستگی کے پیش نظر یہ اندیشہ ہے کہ کہیں ان کی تحریک آزادی متحدہ جدوجہد کی صورت اختیار نہ کرے۔ وہ ان کے درمیان رابطوں کو کاٹنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ لیکن یہ رابطے اب دن بدن وسیع اور مستحکم ہوتے جا رہے ہیں"

"آپ نے اس جانب کہ آئندہ برسوں میں کیا ہونے والا ہے تو افغانستان کی سرزمین پر قدم رکھنے اور مجاہدین سے براہ راست بات کرنے کے بعد میرا تجزیہ یہ ہے کہ آنے والے تین برس بہت اہمیت کے حامل ہیں ان برسوں میں یا تو روس کو کسی سیاسی سمجھوتے کی راہ تلاش کرنی ہوگی تاکہ وہ واپسی کا بہانہ ڈھونڈ سکے یا پھر اپنی اور زیادہ قوت کو کسی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے داؤ پر لگانا ہوگا۔ یہ تین برس مجاہدین کی ذہانت، ایثار اور قربانی کا امتحان بھی لیں گے۔ اگر مجاہدین مختلف تنظیموں میں بٹے رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے مربوط رہے تو منزل آسان ہو جائے گی۔ ورنہ تحریک مزاحمت اور طول پکڑے گی (ظہیر احمد پاکستان)

اور اب آخر میں عالم اسلام کے لئے مولانا جلال الدین حقانی کا پیغام ان کی زبانی سنئے۔

"افغانستان پر روسی حملے کی وجہ سے پورا عالم اسلام خطرے کی زد میں ہے۔ روس اسلام کو ختم بورڈ بنا کر پورے عالم اسلام پر چھلانگ لگانا چاہتا ہے۔ اس نے بھارت سے رابطہ بڑھا کر پاکستان کو دو طرف سے گھیرنے کی سازش سے اسکا آغاز کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ افغانستان پر قبضہ کر کے گرم پانی تک رسائی، چین کا محاصرہ اور خلیج کو اپنی زد میں لینے کے منصوبوں پر عمل پیرا ہونا چاہتا ہے اپنے متعدد منصوبوں میں سے جو بھی اسے پورا ہوتا ہوا نظر آئے گا وہ اس سے گریز نہیں کرے گا۔ مسلمانان عالم کو اس وقت موقع ملا ہوا ہے کہ وہ جنگ کے شعلوں کو عالم اسلام کے قلب میں پہنچنے سے روکنے کے لئے اس کے ایک کنارے پر موجود افغانستان میں جنگ کو روکنے کی کوشش کریں ورنہ آگ ان کے صحن میں پہنچ گئی تو وہ کچھ نہ کر سکیں گے اور بے بسی کی تصویر بن کر رہ جائیں گے۔

روسی جارحیت کے مقابلے کے لئے افغان مجاہدین کی ہر ممکن امداد مسلمانوں کے ایمان کا لازمی جزو ہونا چاہئے۔ ان کے ایمان کی تکمیل اس حدیث کا مصداق بننے کی صورت ہی میں ہو سکتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے جس کے ایک عضو کو تکلیف ہو تو پورا جسم

اسے محسوس کرتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر مسلمانوں کی اطاعت کا محتاج نہیں ہے۔ مسلمانوں کا ایک دوسرے کی مدد کرنا خود امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور ان کے نظریاتی تشخص کے لئے ضروری ہے لیکن آج عالم یہ ہے کہ ہم تو میدان جہاد میں بھی نہیں گھبراتے اور بفضل الٰہی پورے اطمینان قلبی کے ساتھ مصروف جہاد ہیں جبکہ ہم سے ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے مسلمان سپر پاور کے خوف سے اپنے محفوظ گھروں میں پریشان اور مایوسی کا شکار ہیں۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہم انشاء اللہ اپنے آخری سانس اور خون کے آخری قطرے تک جہاد کرتے رہیں گے خواہ دنیوی طور پر کوئی ہماری مدد کرے یا نہ کرے ہم صرف خدا کی مدد کے محتاج ہیں۔ کسی بھاری بوجھ کو سب مل کر اٹھانے کے بجائے ایک ہی آدمی کو لگا دیا جائے تو وہ تھوڑا تھوڑا کر کے اٹھائے گا اور ظاہر ہے اس کے لئے کافی وقت درکار ہوگا۔ روسیوں کی افغانستان میں جارحیت ایسا ہی ایک بوجھ ہے جسے اگر سب ملکر اٹھائیں۔ تبھی اسے اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ بصورت دیگر ہم تو بہرحال اپنی جگہ اس کو دھکیلنے میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی بے تعلقی کے نتیجے میں یہ بوجھ کہیں عالم اسلام پر نہ جا گرے لہٰذا وقت سے پہلے اس کا سدباب ضروری ہے" خدا مجاہدین کو کامیاب و کامراں کرے۔

نوٹ:- "اس مضمون کی تیاری میں ہفت روزہ تکبیر کراچی کے مختلف شماروں سے مدد لی گئی ہے جس کے ایڈیٹر محمد صلاح الدین اور کالم نگار ظہیر احمد نے افغانستان کا اگست ۱۹۸۵ء میں دورہ کیا اور جس کا ایک رپورٹر "رفیق افغان" محاذ جنگ پر موجود ہے ادارہ اس کیلئے مدیر مذکور کا شکر گذار ہے"

"ایک کاتب چاہئے"

ادارہ حیات نو کے لئے ایک ایسے کاتب کی ضرورت ہے جو چھوٹے بچوں کو پڑھا بھی سکے اور کتابت بھی کر سکے۔ اس پتہ پر رابطہ قائم کریں۔

نور محمد فلاحی۔ جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج۔ اعظم گڑھ۔ یوپی

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

حلقۂ یاراں

زیر نگرانی ایڈیٹر
عبید اللہ فہد فلاحی

محترمی!

السلام علیکم

"حیاتِ نو" کا تازہ شمارہ ملا۔ "مژدۂ نو" کی اشاعت کیلئے بہت بہت شکریہ!

یوں تو رسالہ کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش آپ کے حسن انتخاب سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ تمام مضامین معیاری اور معلومات افزا ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بھی رسالہ اتنا جامع نہیں ہے کہ ایک تشنۂ ادب کے ذوق کی مکمل پذیرائی ہو سکے۔ تنقیدی مضامین، غیر ملکی قلمکاروں کے نگارشات کے تراجم، کسی مذہبی نکتہ کی وضاحت اور تقابلی جائزہ اور فلسفیانہ مضامین کی کمی رسالہ کے معیاری ہونے میں حائل ہے۔ اگر صفحات بڑھا کر سو سے زائد کر دیئے جائیں اور متنوع مضامین کی شمولیت کر دی جائے تو رسالہ یقیناً کسی اچھے ڈائجسٹ کا ہمسر ہو سکتا ہے۔

بہ دعا اطہر خاں ایم اے

محبی طارق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا کرے آپ بخیر ہوں۔

آپ کی علی گڑھ سے روانگی کے بعد ہی رات میں حیات نو کا تازہ شمارہ چاٹ گیا۔ الف سے یاء تک سب کچھ پڑھ کر دم لیا۔ یہ اعجاز جاوید صاحب کون ہیں؟ دریافت بڑی خوش آئند ہے۔ حضرت عمیر بن سعدؓ پر مضمون بڑا جاندار ہے۔ ترجمانی بڑی عمدگی اور نفاست سے کی گئی ہے۔ زبان بڑی شستہ اور پیاری ہے اگر یہ سلسلہ جاری رہے تو مفید رہے گا۔ اس کے بعض مقامات پر تو آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مثلاً عمر فاروقؓ دینار کی تھیلی حضرت عمیرؓ کی خدمت میں بھجواتے ہیں اور وہ اسے ذاتی استعمال میں لانے کے بجائے شہداء کی اولاد میں تقسیم کر کے خالی ہاتھ مدینہ حاضر ہوتے ہیں اور امیر المومنینؓ یہ سوال کرتے ہیں کہ تم نے ان کو کہاں خرچ کیا؟ تو فرماتے ہیں کہ "میں نے انہیں جمع کر دیا ہے تاکہ وہ اس روز کام آئیں جس روز اولاد اور مال کوئی چیز کام نہ آئے گی۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں اور بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہیں کہ "عمیرؓ میں گواہی

دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو تنگدستی کے باوجود اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔"

مولانا محمد الحسیب اصلاحی نے دوبارہ جامعہ کی صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی ہے دعا ہے کہ وہ بحسن وخوبی اپنی ذمہ داریاں نبھا سکیں۔ آپ نے علی گڑھ میں ملاقات کے موقعہ پر "حیات نو" کی توسیع واشاعت کی جس مہم کا تذکرہ کیا تھا وہ بڑا کامیاب ہو سکتا ہے اگر مولانا نور محمد صاحب وغیرہ دلچسپی لیں تو ہر جمعہ کے دن مضافاتی بستیوں اور اعظم گڑھ کے اطراف وجوانب میں جا کر حیات نو کا تعارف کرانا بڑا مفید ہوگا۔ اس سے میرے خیال میں کم از کم تین چار سو خریدار یک بیک بڑھ سکتے ہیں۔ دوسری تجویز یہ بھی ہے اور بہت معقول ہے کہ ناظم جامعہ کے توسط سے حیات نو کی خریداری ہر طالب علم پر لازمی قرار دی جائے اور جہاں دوسری فیسیں لازمی طور سے وصول کی جاتی ہیں حیات نو کی خریداری کی قیمت بھی وصول کر لی جائے اس سے حیات نو کی مالی پوزیشن مستحکم ہو سکتی ہے اور متعلقین جامعہ جو جامعہ کے حالات سے واقف رہنا ضروری سمجھتے ہیں آسانی سے اپنے مدرسہ کے حالات، کوائف سے اور وہاں کے طلبۂ وفارغین کی سرگرمیوں سے مطلع ہو سکتے ہیں۔ کاش ذمہ داران جامعہ اس پر غور کر سکتے۔

کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ترانۂ جامعہ کا (شرقی سبحانی والا) مختصر کر کے بلاک بنوا لیا جائے اور ٹائیٹل کے آخری صفحہ پر مستقل طبع ہوتا رہے یا کم از کم چھ سات شماروں تک۔ دوسری بات یہ ہے کہ فلاح کے شعبہ نسواں کی نمائندگی حیات نو میں نہیں ہو پا رہی ہے جبکہ وہاں کی طالبات اور اساتذہ میں اس کی صلاحیت موجود ہے۔ جو اساتذہ وہاں تدریسی خدمات انجام دیتے یا دیتی ہیں ان کے توسط سے طالبات کے اندر مضمون نویسی کی مہم شروع کی جائے اور رفتہ رفتہ ان کی نمائندگی ہو۔ سوومنٹ دہلی کے ایک شمارہ میں بہن آسیہ بانو فلاحی کا مضمون "دعوت کی ضرورت واہمیت" دیکھ کر اس خیال کو تقویت ملتی ہے۔

مولانا نعیم الدین اصلاحی کی تفسیری کاوش اور مولانا طاہر مدنی کی تحقیق مسائل (احادیث سے متعلق) بڑی عمدہ چیزیں تھیں انھیں جاری رہنا چاہیئے۔ طاہر صاحب تو ہمارے دوست ہیں انھیں مجبور کر کے آمادہ کیا جا سکتا ہے اور نعیم الدین صاحب ویسے ہی سمجھدار ہیں مجھ سے بارہا وعدہ کر چکے ہیں۔ وہ اگر تفاسیر جلیل کا سلسلہ شروع کر سکیں تو بڑی کام کی چیز ہوگی۔ اچھا پھر ملاقات ہوگی۔

والسلام آپ کا عبید اللہ فہد

جامعہ کے لیل و نہار

نور محمد فلاحی
عبد الغنی فاروق

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جامعہ نے اس تعلیمی سال ۱۴۰۵ھ کا نصف سے زائد حصہ پورا کر لیا ہے بس اب گنتی کے ایام باقی رہ گئے ہیں۔ تمام ہی اساتذہ و طلبہ تعلیم و تعلم میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ سالانہ امتحان بالکل قریب آ گیا ہے۔

حیات نو مولانا سید حامد حسین نمبر کا سبکو شدت سے انتظار تھا۔ خدا کا شکر ہے جنوری کے پہلے ہفتہ میں آ گیا ماشاء اللہ خوب سے خوب تر ہے۔ سبھی لوگوں نے اسے پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ ترقی دے اور اس کی تمام پریشانیوں کو دور فرمائے۔ آمین

گذشتہ لیل و نہار کے کالم میں ہم اپنے دو معزز مہمانوں کا ذکر نہ کر سکے تھے جس کا ہمیں بے حد افسوس رہا۔ نومبر میں محترم امیر جماعت مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی کے ہمراہ محترم حسنین سید صاحب ناظم درسگاہ اسلامی دربھنگہ تشریف لائے۔ جامعہ پر طلبہ و اساتذہ سے بہت ہی موثر انداز میں خطاب فرمایا تمام طلبہ کو سچا مخلص مسلمان اور اسلام کا خادم بننے کی نصیحت کی۔ عام مسلمانوں کی روش سے بچنے کی تلقین کی۔

ماہ نومبر ہی میں محترم جناب الحاج محمد اسحٰق صاحب بھی ملیشیا سے تشریف لائے۔ موصوف ایک عرصہ تک جامعہ کے سرپرست رہے ہیں۔ اس بار کافی دنوں کے بعد جامعہ آئے۔ ناشتہ پر تمام اساتذہ سے ملاقاتیں کیں۔ طلبہ کو دعائیں دیں۔ جامعہ کو دیکھ کر ان کا دل باغ باغ ہو گیا۔ موصوف کو بے انتہا مسرت ہوئی کہ جس پودے کی انھوں نے نگرانی کی تھی وہ اتنے جلد تناور درخت اور ثمر آور شجر ہو گیا۔

جمعیۃ الطلبہ کی طرف اس وقت مختلف انعامی مقابلے رکھے گئے ہیں۔ بلکہ ان کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔ یہ مقابلے طلبہ کی مختلف صلاحیتوں کو جلا بخشنے ان کی ہمت افزائی و تشجیع کی غرض سے ہوتے ہیں۔ قرأت، مقالہ نویسی اور مختلف زبانوں میں خطابت کا مقابلہ ہوتا ہے۔ طلبہ کی کثیر تعداد اس میں حصہ لیتی ہے۔ جو اول، دوم، سوم کو خصوصی انعامات دیے جاتے ہیں۔ انکے علاوہ دوسرے حصہ لینے والے

طلبہ کو بھی تشجیعی انعامات دیے جاتے ہیں۔

- ابتدائی درجات کا ایک شعری (بیت بازی) مقابلہ ہوا جس میں رضوان عالم اول محمد بابر دوم اور نعمان بدر سوم قرار دیے گئے۔
- جمعیۃ الطلبہ کی اپنی ایک لائبریری ہے جس سے وہ استفادہ کرتے ہیں اور اپنی صلاحتیں پروان چڑھاتے ہیں یہ لائبریری اہل خیر کے تعاون اور بہی خواہوں کے عطیہ جات کی مرہون منت ہے۔ ابھی حال میں بڑے بھائیوں (انجمن طلبہ قدیم) نے اپنے چھوٹے بھائیوں کو ۵۰ سے زیادہ کتابیں بطور ہدیہ عنایت کیں۔
- جامعۃ الفلاح میں بہنوں کا بھی ایک شعبہ ہے جس کو کلیۃ البنات کہتے ہیں۔ اس میں فضیلت تک تعلیم ہوتی ہے اور اکثر بہنیں قرب و جوار کے گاؤں سے پیدل اور سواریوں کے ذریعہ آتی ہیں۔ سواری کے انتظار میں اکثر تاخیر ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی واپس بھی جانا پڑتا ہے۔ بہت سی بہنیں پڑھنے کی خواہش کے باوجود نہیں پاتیں۔ مدرسہ چاہتا ہے کہ ان کے لئے منی بسوں کا انتظام ہو جائے جو ان کو ان کے گھروں سے لائے اور پھر چھوڑ آئے۔ مگر مالی دشواریاں حائل ہیں۔ اہل خیر حضرات توجہ دیں انشاء اللہ کام آسان ہو جائے گا۔

بہنوں کے لئے رہائش کا بھی کوئی معقول نظم نہیں ہے چند کمرے ہیں جن میں دن میں تعلیم ہوتی ہے اور رات میں کچھ بہنوں کے لئے رہائش کا کام دیتے ہیں۔ یہ کمرے بجلی سے محروم تھے۔ مگر خدا کا فضل ہے اب روشنی کا انتظام ہو گیا ہے۔

ان کی ایک لائبریری بھی ہے جس سے وہ استفادہ کرتی رہتی ہیں۔ انجمن طلبہ نے ان کی لائبریری کے لئے تقریباً ۵۰ کتابیں اور تفہیم القرآن کا ایک سٹ فراہم کیا ہے خدا ان کی مشکلوں کو دور فرمائے۔

- جمعیۃ کے سالانہ میگزین الفلاح کی تیاریاں شروع ہو گئی ہیں انشاء اللہ اپنے وقت پر بہتر معیار اور نئی آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آئے گا تمام بہی خواہوں سے تعاون کی درخواست ہے۔

فلاحی علیگ برادران کی سرگرمیاں

۲۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی علیگڑھ شاخ کی ایک میٹنگ حبیب ہوسٹل میں منعقد ہوئی۔ جس میں تلاوت قرآن کے بعد جناب عبید اللہ فہد فلاحی نے یونیورسٹی میں داخل ہونے والے نئے ساتھیوں کو مبارکباد دیتے ہوئے تین باتوں کی طرف توجہ دلائی۔

۱. وہ وقار علم اور حریت فکر کا دامن تھامے رکھیں۔

۲. حلقۂ احباب و تلامذہ سے وسیع تر کریں۔

۳. فلاحی تشخص کو باقی رکھنے کی کوشش کریں۔

اس کے بعد سابق سکریٹری حافظ رضوان احمد فلاحی کی صدارت میں نئے سیشن کے انتخابات ہوئے جس میں جناب عبید اللہ فہد فلاحی کو سال رواں کا صدر اور جناب سید احمد غازی کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔ اللہ تعالی انھیں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امسال B.A میں عربی، تاریخ، سیاسیات اور معاشیات کے مختلف میدانوں میں سات فلاحی طلبہ کا داخلہ ہوا ہے اور B.U.M.S کے مقابلے میں غفران احمد، مظفر الاسلام، حافظ ظفر احمد، حافظ صباح الدین، محمد شعیب اور شمیم الرحمن کامیاب ہو چکے ہیں۔ ان سارے ساتھیوں کے داخلے مکمل ہو چکے ہیں۔ اور M.A (عربی) میں پانچ فلاحی طلبہ کے داخلے کی لسٹ آؤٹ ہو چکی ہے اور امید ہے کہ مزید پانچ فلاحیوں کا داخلہ ہو جائیگا۔ یہ بات خوشی کی ہے کہ علی گڑھ میگزین اردو [illegible] کے ایڈیٹر جناب منور حسین فلاحی، ضیاء الدین ہال میگزین کے جوائنٹ ایڈیٹر جناب یونس فلاحی، S.S. HALL کے سینیر ریزیڈنٹ مانیٹر (S.R.M) جناب ضیاء احمد گیاوی اور علی گڑھ عربی میگزین کے ایڈیٹر جناب زین العابدین فلاحی ہیں۔ یہ خبر بھی باعث مسرت ہوگی کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (U.G.C) کی جونیر ریسرچ فیلوشپ کے جنرل ٹسٹ میں جناب محمد عارف ٹونکی کامیاب ہو چکے ہیں۔ یہ کمیشن مختلف میدان کے ریسرچ اسکالروں کو کل ہند مقابلہ جاتی امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد چار سال کی مدت کے لیے ایک ہزار روپیہ مہینہ + تین ہزار روپیہ سالانہ الاؤنس کے لیے بطور اسکالرشپ فراہم کرتی ہے۔ جناب عارف ٹونکی نے شعبۂ اردو کے استاذ ڈاکٹر بادر علی خان کی معیت میں ریسرچ کے لیے "انیسویں صدی میں اردو سفرنامے کا آغاز وارتقاء" موضوع بھی منتخب کر لیا ہے اور جناب عبید اللہ فہد نے M.A (سیاسیات) کے آخری سال میں تحقیقی مقالے کے لیے اسلام کا سفارتی نظام (Principles of diplomacy in Islam) موضوع کو منتخب کر لیا ہے جسکی منظوری یونیورسٹی نے انھیں دے دی ہے۔

یہ اطلاع بھی بے جا نہ ہوگی کہ یونیورسٹی کے مختلف تعلیمی و ثقافتی پروگراموں میں فلاحی طلبہ برابر حصہ لے رہے ہیں چنانچہ جناب کفیل القدس غزالی، محمد یونس فلاحی نے اس سلسلے میں کئی انعامات حاصل کیے ہیں۔